



کیا اختلاف رحمت ہے؟

مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کی وسطیت

کیا اعلیٰ رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قنوت میں بدعا...

بیچ وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد مع فضائل ومسائل (دوسری قسط)

امن وسلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار



سنہری قول

جس شخص نے

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ

کی حدیث کو رد کر دیا
تو وہ ہلاکت کے کنارے پر

امام اہل السنۃ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ رَدَّ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَهُوَ عَلَى شَفَا هَلَكَةٍ"

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کر دیا تو وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔"

(مناقب الإمام أحمد لابن الخواري بتحقيق عبد الله التركي، ج: 249، وقال الحافظ زبير علي زني: إسناده صحيح)

AHL US SUNNAH

Volume No.6, Issue No.65, March-2017

جلد: ۶

فی شماره - 30/-

مارچ ۲۰۱۷ء

شماره: ۶۵

سالانہ - 300/-

ماہنامہ

اهل السنة مبئی

مدیر اعلیٰ: رضا اللہ عبدالکریم مدنی | معاونین: ابو الیمان رفعت سلفی، اسرار احمد سلفی، حافظ اکبر علی سلفی
مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی | فور میٹنگ: شفیق احمد محمد علی محمدی
مدیر اعزازی: انصار زہیر محمدی | گرامک ڈیزائنر: طارق بن عبد الرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ثقیل

مجلس مشاورت

- شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
- شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر: 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400058 | Ph.:022-26500400
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

الاسئلة

05	میدانِ فکر و فکر میں کیا ہے؟	اداریہ
07	انصارِ حق میں کیا ہے؟	درسِ حدیث
10	رضوان اللہ علیہ اربعہ اہل بیت	اصلاحِ سماج
15	اشفاق احمد سنی	عقیدہ و منہج
21	تحریر: علامہ محمد عارف - رتبہ: اہل بیت	بحث و نظر
30	کتاب اللہ ساری	بحث و تحقیق
38	حافظ اکبر سنی	فضائل و مسائل
40	اکبر علی سنی	غلامی کا ازالہ
43	شمس احمد سید انجم اللہ سنی	محاسن اسلام
43	ڈاکٹر فضل الرحمن سنی	فقہ و فتاویٰ

کیا اختلاف رحمت ہے؟

عبدالحکیم بن عبدالحق

اور اس آیت کی تشریح و توضیح مسند احمد میں مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں راوی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے زمیں پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کی راہ ہے، پھر اس کی دائیں طرف چند لکیریں کھینچی اور اس کی بائیں جانب کچھ لکیریں کھینچی، پھر فرمایا یہ الگ الگ راہیں ہیں ان راہوں میں سے ہر راہ پر ایک شیطان کھڑا ہے جو اس راستے کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْقَهُونَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳) (مسند احمد: ۴/۲۱۲) و قَالَ الْإِنْسَانِيُّ فِي ظُلُلِ الْجَنَّةِ: رَقْم: ۱۵۳ و ۱۶: احسن صحیح

ایک دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے اتحاد و اتفاق کی دعوت دینے ہوئے اور اختلاف و افتراق سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ فُلُوقِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی تمام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے

آج امت مسلمہ ان گنت مصائب و محن سے دوچار ہے، ذلت و بکثت کی گھنگھور گھنائیں اس پر چھائی ہوئی ہیں، قومی و بین الاقوامی ہر سطح پر وہ لاچار و بے بس، بے مایہ و بے سرمایہ ہے۔ دین و دنیا ہر دو محاذ پر شکست و ریخت کا مسمونہ ہے۔ بلکہ دنیاوی تنگ و دو کے ہر شعبہ، ہر اسٹیج پر وہ ناکام و نامراد ہے۔

اس صورت حال کے متعدد اسباب و وجوہ ہیں۔ ان میں ایک امر ایسا بھی ہے جو بعض وجوہ سے ان حالات کے جملہ اسباب میں سے بھی ہے اور ان دیگر گروہوں و کوائف کا ایک جہا جاتا نظر نہیں آتا۔ ایک ایسی حقیقت جسکی مذمت و برائی اور اسکی نقیض کی مذمت و تعریف میں قرآن و حدیث کے بے شمار نصوص وارد ہیں۔ مختلف پیرائے بیان اور گونا گوں انداز خطاب میں اسکی اہمیت، اثرات و نتائج کو ان نصوص میں بیان کیا گیا ہے۔

اور یہ کچھ اور نہیں مسلمانوں کا اتحاد اور اسکی ضد انکا اختلاف ہے۔ آئیے رب کے قرآن اور نبی کے فرمان سے اس موضوع کیلئے ذرا خوش چینی کرتے ہیں۔ اور پھر ایک شبہ کا بھرم کھولتے ہیں۔

اللہ ذوالجلال نے سورہ انعام میں ارشاد فرمایا: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْقَهُونَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳) اور یہ کہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی تھم دیا ہے تاکہ تم پر ہیز گاری اختیار نہ کرو۔

اقتداء کرو گے ہدایت یاب ہو جائے گے۔ یہ حدیث بھی موضوع ومن گھڑت ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: السلسلۃ الضعیفہ - لالیباہی، رقم: ۵۸، ۵۹، ۶۱)

اس خام خیالی اور کج فہمی کی تردید کے لئے یہ کافی ہے کہ کتاب وسنت اسکی تردید سے لبریز ہیں اور جو علیین اس غلط فہم کی تائید کے لئے پیش کی جارہی ہیں وہ تاریکیوں سے بھی کمزور ہیں۔

اور کیونکر ممکن ہے کہ اختلاف امت رحمت ہو جبکہ سورہ ہود میں اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے کہ: ﴿وَلَا يَخْزِيكَ مَخْتَلِفِينَ﴾، ﴿لَا مِنْ زَجَمٍ وَنُكٍ﴾ (ہود: ۱۱۸-۱۱۹) وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔ بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے۔

تو اگر جن پر اللہ کی رحمت ہو وہ اختلاف نہیں کرتے بلکہ اہل باطل اختلاف کرتے ہیں تو پھر اختلاف رحمت کیسے ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ پر احمد کرام کے اقوال کا ایک نمونہ بھی دیکھ لیں ابن القاسم فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک اور امام لیث رحمہما اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ صحابہ کرام کے اختلاف اس طرح نہیں تھے جیسا لوگ کہتے ہیں کہ ان کے اختلاف میں لوگوں کے لئے وسعت و کشادگی ہے۔ بات ایسی نہیں ہے بلکہ جن مسائل میں ان کے مابین اختلافات ہوئے ہیں ان میں ایک غلطی پر تھا اور دوسرا درستی پر۔ (جامع بیات العلم لابن عبد البر: ۸۱/۲)

اور اگر ان کے بقول اختلاف رحمت ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دامن پھیلا پھیلا کر اس رحمت کو مانگا جائے کہ اسے پروردگار اس امت کو اس رحمت سے بھر دے، مگر ہر حملہ ہر گاہوں ہر شہر ہر ملک پر اس رحمت اختلاف کی برکھار سے! اور شاید کوئی صاحب عقل ایسا نہیں کریگا۔

فی الحال اسی پر اکتفا۔ آئندہ کسی موقع پر اس موضوع کی اور پر قس کھولی جائیں گی۔

تم انکی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اللہ کی ری کو ملکر مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم: ۱۷۱۵) ایک دوسری حدیث میں افتراق سے ہوشیار کرتے ہوئے اور اجتماعیت کی ہدایت دیتے ہوئے رحمت دو عالم نے فرمایا: ”جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے بچو کیوں کہ شیطان تمہا شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو لوگوں سے ایک کی نسبت زیادہ دور رہتا ہے۔ اور جو جنت کے درمیان میں جگہ چاہتا ہے اسے چاہئے کہ جماعت سے جڑا رہے۔“ (سنن ترمذی: ۲۱۵۱ و صحیحہ الالبانی فی صحیح الجامع: ۲۵۳۶)

یہ تمام نصوص اس حقیقت کو اظہر من الشمس کر دیتے ہیں کہ اتحاد رحمت ہے اور اختلاف ذمت و قہمت ہے۔ لیکن مسلمانوں میں کچھ جماعتیں اور فکری رجحانات اس اصول کو غلط قرار دینے کی ناکام کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور مذکورہ تمام نصوص کو پس پشت کرتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اختلاف امت رحمت ہے۔ اور اس خام خیالی میں خود جتنا ہیں اور امت کے ساتھ لوح افرا کو یاد کرانے کی تنگ دود میں ہیں کہ ان اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے بھی امت متحد ہو سکتی ہے۔ اور اس موضوع کا سب سے عجیب پہلو یہ ہے کہ بیماری کو علاج قرار دیا جا رہا ہے۔

اور اپنی اس کج فہمی کے گھر دندے کے لئے تنکوں کا سہارا لیا جا رہا ہے اور زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں اس گھر کو بیان فرمایا ہے چنانچہ یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ (اختلاف امتی رحمت) میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ جبکہ علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مجھے اس قول کی کوئی صحیح، ضعیف یا موضوع ومن گھڑت سند تک نہ مل سکی۔“

اختلاف امت کے سوا ایک اور لفظ پیش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اختلاف اصحابی رحمت) میرے صحابہ کا اختلاف رحمت ہے۔ جبکہ یہ حدیث بھی حد درجہ ضعیف ہے۔ ایک تیسری حدیث بھی پیش کی جاتی ہے ”اصحابی کالاجوام، بأیمہم اقتدیتم، اھتدیتم“ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی

مسلمان کے جان و مال کی قیمت

انصارِ زیرِ اعلیٰ

ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، بلکہ سخت الفاظ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو پھینکا اور کہا: کیا تم نے اسے لالہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا، قیامت کے دن اس کے لالہ الا اللہ کا کیا کرو گے؟
معلوم ہوا کہ لالہ الا اللہ کی بڑی قیمت ہے صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیمبر کے دن علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ان کے حوالے کیا اور فرمایا: جاؤ اور اس وقت تک مڑ کر نہ دیکھنا جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے فتح نہ کراوے علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر چلے پھر رک کر زوردار آواز لگائی اور کہا: یا رسول اللہ! میں کس بات پر لوگوں سے قتال کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک کہ وہ لالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دے دیں، پس جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کا مال اور خون تم سے محفوظ ہو جائے گا، مگر اس کے حق کے ذریعہ، اور ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔ (رواد مسلم: ۲۴۰۶)

اس حدیث میں مطلق طور پر کلمہ شہادت کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے مگر اس کے حق کے ذریعہ، اور اس کا حق یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ سے انسان رک جائے، جیسا کہ صحابہ کرام نے اس حدیث کا یہی مفہوم سمجھا تھا۔

بے نمازی اور زکوٰۃ نہ دینے والوں سے قتال کرنے پر یہ آیت بھی دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورۃ التوبہ: ۱۱) ہاں گریہ توبہ کر لیں اور صلاۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الَّذِينَ بَيْنَهُ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۹۳) اور ان سے جنگ کر جی کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما: ان رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله الا الله وأن محمداً رسول الله، ويقيموا الصلاة، ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك، فقد عصموا مني دماءهم وأموالهم، إلا بحق الإسلام، وحسابهم على الله تعالى۔ (رواہ البخاری: فی کتاب الايمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة، رقم: ۲۵، ومسلم: فی کتاب الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، ومحمد رسول الله، رقم: ۲۲) الا بحق الاسلام کے الفاظ صرف بخاری کے ہیں مسلم کے نہیں۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں، جب تک کہ وہ لالہ الا اللہ کی گواہی نہ دے دیں، اور جب تک کہ نماز قائم نہ کریں، اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ جب وہ ان کاموں کو کرنے لگیں گے تو میں جنگ روک دوں گا، اور وہ مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں گے۔ مگر یہ کہ اسلام کے بیان کردہ کسی حق کی وجہ سے ان کا خون یا مال حلال ہو جائے، اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

حدیث کا موضوع:

مسلمان کے جان و مال کا احترام ضروری ہے۔

یہ حدیث قتال کے اصول مقرر کرتی ہے، غیر مسلموں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس اگر کوئی آکر اسلام قبول کرنا چاہتا تو آپ ﷺ اسے کلمہ شہادین کی تلقین کرتے، اور پھر اسے مسلمان بنا دیتے، اس کے بعد اس کا مال اور خون محفوظ رہتا، اسی لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر اس وقت تکیر کی جب انہوں نے لالہ الا اللہ کہنے کے باوجود

ابو بکر کے اس موقف کی وجہ سے میں سمجھ گیا کہ اللہ نے قتال کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، یہی میں جان گیا کہ حق یہی ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۸۸۳ و صحیح مسلم: ۳۲)

عمر رضی اللہ عنہ نے شروع میں یہ سمجھا تھا کہ صرف کلمہ توحید کا اقرار کر لینے سے انسان کا خون حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ بہت سارے لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے انسان جہنم سے نجات پا جائے گا، حالانکہ یہ موقف درست نہیں ہے، اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کر کے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بات کو اپنا لیا تھا۔

اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ تارک صلاۃ سے قتال کیا جائے گا جس طرح زکاۃ نہ دینے والے سے قتال کیا جائے گا۔

تین صورتیں ایسی ہیں جہاں ایک مسلمان کا خون حلال ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل دم امری مسلم یشهد أن لا إله الا الله وأنى رسول الله الا باحدى ثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدينه المقارن للجماعة“۔ (صحیح بخاری: ۱۸۵۸ و صحیح مسلم: ۱۶۵۲) کسی مسلمان کا خون نہیں حلال ہے مگر تین جگہوں پر، شادی شدہ زنا کار، خون کے بدلہ خون۔ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جانا۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان کے ظاہر پر عہم لگا دیا جائے گا، اور ان کا معاملہ ان کی نیکیوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ انسان کی یہی نیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے اور جہنم کی فسادیت کی وجہ سے جہنم رسید کریں گے۔ ظاہر کو کچھ کر ہم اس کا جنازہ پڑھیں گے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، خواہ خود اس کی نیکیوں پر حملہ کر کے اسے اسلام سے بدعین نہیں کریں گے، بلکہ یہ سوچ کر اس سے جنت و نکرا نہیں کریں گے کہ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔

مسائل:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر لوبک کہنا چاہئے۔

۲۔ جب جہاد کے اسباب فراہم ہوں تو جہاد فرض ہے۔

۳۔ عزت اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہے۔

۴۔ کفر اور مشرکین کے لئے ذلت ہے۔

﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خُلَفَاءُ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَيَذْكُرُوا الذِّكْرَ الَّذِي هُوَ الْفَيْمَةُ﴾ (سورۃ الحجۃ: ۵)

اور انہیں حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی عبادت کریں، پوری طرح یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور یہی صحیح دین ہے۔

جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی قوم سے جنگ کیلئے نکلے تو صبح کا انتظار کرتے، اگر وہاں سے فجر کی اذان سنائی دیتی تو حملہ نہیں کرتے، اس خوف سے کہ شاید اسلام میں داخل ہو گئے ہوں اور اگر اذان نہ سنائی دیتی تو حملہ کر دیتے۔ (الخروجہ البخاری: احادیث لمصر: ۶۱۰)

یہ تمام باتیں اس کی صراحت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسلام میں داخل ہونے والوں کی بڑی رعایت کیا کرتے تھے، صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کئے گئے، اس وقت کچھ لوگ اسلام سے مرتد بھی ہو گئے، چنانچہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کرنا چاہا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ان سے کیسے جنگ کریں گے؟ جب کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ”أمرت أن أقاتل حتى يشهدوا أن لا إله الا الله وأن محمداً رسول الله، ويقيموا الصلوة، ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك، فقد عصموا مني دماءهم وأموالهم، إلا بحق الاسلام، وحسابهم على الله تعالى“ مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دے دیں، اور جب تک کہ نماز قائم نہ کریں، اور زکاۃ ادا نہ کریں۔ جب وہ ان کاموں کو کرنے لگیں گے تو میں جنگ روک دوں گا، اور وہ مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں گے۔ مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو صلاۃ اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا، اس لئے کہ زکاۃ مال کا حق ہے، قسم اللہ کی اگر وہ ایک عقول دینے سے بھی رک جائیں گے جسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتے تھے تو اسے روک لینے کی وجہ سے میں ان سے جہاد کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم

و شہادت دی تو کسی کو تھیں اقتدار سونپا اور جو کچھ بھی اس نے ہم کو دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک امانت بھی ہے اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کا استعمال ہمیں کیسے کرنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا ضابطہ بھی بتا دیا ہے ایسا نہیں ہے کہ ہم اس کی دی ہوئی نعمتوں کا استعمال اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہیں ویسا کریں، اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا غلط استعمال ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت ہوگی اور یہ بات آپ سبھی کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا غلط استعمال عذاب الہی کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَإِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ ”اگر تم نے شکر ادا کیا تو ہم تمہیں مزید دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے۔“ (اندر اہیم: ۷)

اور امانت میں خیانت کرنا کمال ایمان سے اپنے آپ کو محروم کرنا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ“ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے اندر ایمان و داری نہیں اور اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں جس کے انحراف معاہدے کی پاسداری نہیں۔ (مسند احمد: ۱۳۱۹۹ و صحیحہ الاتہانی فی صحیح الترغیب والترہیب: ۱۵۹/۳، ۲۰۰۳)

اور ایک دوسری روایت کے مطابق عملی طور سے منافقت ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”أَيُّهُ الشَّافِي ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أَقْسَمَ خَانَ“ منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وہ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳) جب امان بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری: ۲۲۸۲، صحیح مسلم: ۵۹)

اور اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت اور ایک امانت ہے لہذا جس طرح ہر نعمت کی پاسداری اور استعمال کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے اسی طرح اولاد کے تئیں بھی ہمیں حساس رہنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَغْلُوا فِئَاتِكُمْ وَأَخْلِسُوا فَمَا تَأْمُرُونَ اللَّهَ مَا تَأْمُرُونَ﴾ ”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو

۵۔ زمین پر امن و امان صرف اللہ کی شریعت کے نفاذ ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔

۶۔ اسلام کی اصل تو حید ہے۔

۷۔ اگر کوئی زبان سے کلمہ تو حید کا اقرار کرے تو اس سے قتال جائز نہیں۔

۸۔ حکم ظاہر پر لگا دیا جائے گا۔

۹۔ اخلاص اور متابعت ہی کا نام اسلام ہے۔

۱۰۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے لیکن محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرے تو اس سے بھی قتال کیا جائے گا۔

۱۱۔ صلاۃ قائم کرنا فرض ہے۔

۱۲۔ زکوٰۃ کو اس کے مستحقین تک پہنچایا جائے گا۔

۱۳۔ صلاۃ اور زکوٰۃ کے وجوب کا منکر کافر ہے۔

۱۴۔ مسلمان کا مال اور خون حرام ہے۔

۱۵۔ اسلام نے دنیا و آخرت میں اپنے سامنے والوں کو تحفظ کی امید دلائی ہے۔

۱۶۔ اگر کسی نے اسلام کے ایک رکن کا بھی انکار کیا تو وہ کافر ہے۔

۱۷۔ یوم آخرت پر ایمان لانا واجب ہے۔

۱۸۔ تمام مخلوقات کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے رسول کا کام دعوت پہنچا دینا ہے، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضَيِّطٍ﴾ (انعام: ۲۲) آپ ان پر محاسب نہیں ہیں۔ ﴿إِنَّا إِلَٰهَانَا عَلَيْهِمْ قَوْمٌ إِنَّا عَلَيْهِمْ جَسَدَانَا﴾ (انعام: ۲۵-۲۶) بلاشبہ ہمیں ہماری طرف ہی واپس آنا ہے، پھر ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔

۱۹۔ داعی الی اللہ کو چاہئے کہ حق بات بتا کر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرے۔

اصلاح سماج

تربیت اولاد کے چند نسخے

رضوان اللہ علیہ اربعہ سراپائی

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صاحب ثروت بنایا تو کسی کو دولت علم سے آراستہ کیا کسی کو جاو

اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر سخت دل مضبوط فرماتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں۔ (التحریم: ۲۰)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو ایک اہم ذمہ داری تریت اولاد کی طرف توجہ دلایا ہے تاکہ ان کی اولاد جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائے اور نیکیوں کی خوشگوار ہو لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ کس حج پر کریں؟ تربیت کا کیا انداز ہونا چاہئے؟ مندرجہ ذیل طور میں اسی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا نسخہ ہے جو ہمیں اور ہماری اولاد کو جہنم کی آگ سے بچائے گا؟ اس سلسلے میں بے شمار نسخے ہیں جنہیں ہم اپنا کر اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہیں، لیکن اسی تناظر میں رسول گرامی ﷺ کی ایک معروف و مشہور حدیث ملاحظہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ”كُنْتُ خَلِيفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ الْيَمَامَةِ إِذْ أَقْبَلَ عَلَيْنَا كَلِمَاتُ أَبِي حَفْصَةَ الْغَنَوِيِّ فَقَالَ: إِذَا سَأَلْتُكَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، فَذَكَرَ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، فَذَكَرَ اللَّهُ عَلَيْكَ زَفَقَاتِ الْأَفْلاَمِ وَجَعَلَ الضُّخْفُ“ میں ایک دن (سواری پر) نبی اکرم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں وہ یہ کہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھو وہ تجھے محفوظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو اسے تو اپنے سامنے پائے گا، جب تو مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرے تو صرف اسی سے مدد طلب کر اور جان لو کہ اگر پوری دنیا کے لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا اس لئے کہ قلم اٹھا دئے گئے اور صحیفہ خشک ہو چکے۔ (سنن الترمذی: ۲۶۳۵)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے ”اَحْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، اَحْفَظْ اللَّهَ تُحْذَرُ لَمَنَافِكَ، تَعَزَّزْ بِهِ الزَّخَاءُ، يَغْرِفُكَ فِي الشَّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتُكَ، فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ، فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، فَذَكَرَ الْقَلَمَ بِهَا هُوَ كَمَا نُو، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كَانُوا يَحْفَظُونَ عِيبَهُمْ، لَمْ يَفْقِدُوا أَنْ يَنْفَعُواكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ عَلَيْكَ، لَمْ يَفْقِدُوا، وَإِنْ أَزَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ عَلَيْكَ، لَمْ يَفْقِدُوا، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الضَّرِّ عَلَى مَا تَكُونُ غَيْرَ أَكْثَرٍ، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الضَّرِّ، وَأَنَّ الْفَوْزَ مَعَ الْكُوبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ تو اللہ کا خیال رکھو تو اس کو اپنے سامنے پائے گا، تو خوش حالی میں اللہ کو پہچان دو، تجھے مصیبت میں پہچانے گا (یعنی تیری رست گیری فرمائے گا) اور جب تو مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرے تو صرف اسی سے مدد طلب کر، قلم اس چیز پر سوکھ چکا ہے جو ہونے والا ہے اگر پوری مخلوق اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائے تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا اور یہ (بھی) جان لے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی بھلائی ہے۔ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ کثاردگی، تکلیف کے ساتھ اور آسانی سچائی کے ساتھ ہے۔ (مسند احمد: ۴۰۳، ۳۰۳، ۲۹۳، صحیحہ شعب الارغوطا و رفقاہ)

معلوم ہوا کہ بچوں سے نبی ﷺ کو بڑی محبت ہو کرتی تھی اسی لئے نبی ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور نصیحت سے پہلے انہیں ”یا غلام“ کہہ کر اپنی جانب مائل کر لیا تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور باتیں بغور سنیں، کیوں کہ یہ نصیحت بڑے عظیم معنائی پر مشتمل تھے، گویا بچوں کو کچھ سکھانے سے پہلے ذمہ دار ایسا رویہ اپنائیں کہ بچے خود بخود ہماری طرف متوجہ ہو جائے جیسا کہ آپ ﷺ کا طریقہ تھا۔

گویا بچوں کو اطاعت الہی اور معصیت سے دوری کا حکم دینا چاہئے کیوں کہ یہ نصیحت ان کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

وہ ممکن بندہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا نہ کرے ہر حال میں یعنی خوش حالی یا مالداری اور رستہ رستی تمام حالتوں میں کرتے رہتا ہے

بجائے اسکول سمیٹی ہے، جب ہم اپنے بچوں کو اسکول بھیجیں گے تو وہاں جو قانون ہے اسی کے مطابق سارے کام بچوں سے کرائے جائیں گے، اگر مشنری اسکول ہے تو ان کی اپنی ترغیبات ہوں گی، یا کسی کا بھی ہوگا تو ہر ایک کا کام اپنے عقیدے کے اعتبار سے ہوگا اور بچے کے وہاں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ سارے کام کرنے ہوں گے چاہے بچہ راضی برضا کرے یا بادل ناخواستہ پر اسے کرنا ہوگا، پھر بچہ اسلامی حیثیت سے زندگی گزارے گا یا کسی اور طرح سے؟ یہ فیصلہ ہم خود کریں اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ دین دار بنے تو بغرض تعلیم اسی ادارے میں داخل کیجئے جہاں دینی اعتبار سے بچے کی پرورش ہو سکے۔

اس کے علاوہ جب بچہ بولنے لگے (یہ بات یاد رہے کہ بچہ اگر نہیں بولتا ہے تو اس وقت بھی وہ سیکھتا رہتا ہے کیسے؟ جب آپ بولتے ہیں تو بچہ آپ کی بات سنتا ہے اور اسے سمجھ کر تا ہے، گویا بولنے وقت آپ کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ بچے کے سامنے کوئی ناشائستہ جملہ نہ بولیں) تو ہم اسے دینی کلمات بولنا سکھائیں مثلاً لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کریں اسے اللہ کے نام یاد کرائیں اسے قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں وغیرہ یاد کرانے کی کوشش کریں۔

ہمارا معاشرہ اس سلسلے میں بہت پیچھے ہے، بچے جب بولنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو ماں باپ اسے کہیں گے بولو بیٹا، بولو بیٹا یا ایسا کہ جس تک بات ہے ان الفاظ کی تو یہ بھی ضروری ہیں، یہ الفاظ بچے خود بخود بولیں گے، آپ کو کہلوانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، آپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ بچے سے اچھے اچھے جملے کہلوائیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بچے اگر کسی کون کرگالی دینے لگتے ہیں تو ماں باپ بہت خوش ہوتے ہیں، ہونا تو یہ چاہئے کہ اسے ڈانٹیں اسے منع کریں، بچہ کوئی غلطی کرتا ہے تو یہ کہہ کر کہ ابھی چھوٹا ہے اسے ہرگز نظر انداز نہ کریں بلکہ اسے بتائیں کہ جیسا ایسا نہیں کرنا چاہئے یا ایسا نہیں کہنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اگر ہم نے اس معاملے میں سستی سے کام لیا تو یہ چیز ہمارے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں مصیبت کا سبب بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کے تئیں حساس و ذمہ دار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ اسے پریشانیوں سے بچاتا ہے۔
ہم بچوں کا دل و دماغ عقیدہ، توحید سے آراستہ کریں یعنی انہیں بتائیں کہ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو، مدد طلب کرنا ہو تو اللہ سے طلب کرو، یہ والدین و مربیان کی ذمہ داری ہے۔

☆ اسی طرح بچوں کا دل و دماغ فقہ پر اور اسکے اچھی یا بری ہونے پر ایمان سے بھی مزین کریں کیوں کہ یہ ایمان کا ایک رکن ہے۔

☆ بچوں کی تربیت امید، آشا اور خیر پہ مبنی ہوتا کہ بچے پر امید اور بہتر سے بہتر زندگی کا استقبال کرے، نیز وہ اپنی قوم کا فلاح بخش انسان ثابت ہو کیوں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اور جان لو! مدد میرے ساتھ" کشادگی، تکلیف کے ساتھ اور آسانی بخشی کے ساتھ ہے۔"

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر معاملے میں صبر کی تلقین کی ہے کیوں کہ صبر دیکھا سب سے بڑا اور بہترین ذریعہ ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ غمی پریشانی اور بے چینی کے بعد خوشی راحت اور سکون کا آنا طبیعی ہے، خصوصاً جب ایسی حالت میں دعا کی جائے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا ہے کہ پریشانی کے بعد ضرور آسانی ہوگی۔

اسی طرح جہنم کی آگ سے بچانے میں دینی تعلیم کا سب سے اہم رول ہے لہذا اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرائیں چونکہ حقوق و معاملات کی تفصیل دینی تعلیم ہی میں ہے، ماں باپ کا حق، بھائی کا حق، رشتہ داروں کا حق اور پڑوسی وغیرہ کا کیا حق ہے؟ ان سب کی تفصیل دینی تعلیم ہی سے ہمیں حاصل ہوگی اور یہ بھی کہ اگر ہم نے حقوق کی ادائیگی نہ کی تو ہمارا خدا کا جہنم ہوگا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے بچوں کو عصری تعلیم نہ دیں یہ بھی ایک ضرورت ہے لیکن اس سے پہلے کم از کم اپنے بچوں کو اس بات سے تو آگاہ کریں کہ ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے کیسے زندگی گزاریں، کم از کم انہیں پہلے اسلامی تعلیم سے تو روشناس کرائیں۔

جدید تعلیمی نظام اور بہتر مستقبل، اچھی نوکری وغیرہ کے معاملے کو لے کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بچوں کو مدرسہ بھیجنے کے

مرکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کی وسطیت

اشفاق احمد ساجی (استاد المومن انگلش اسکول، ممبئی)

اللہ کہتے ہیں: ”وَذَهَبَ الْجَمَاهِيرُ مِنَ السُّلْفِ وَالْخَلْفِ مِنْ جَمِيعِ الطَّوَائِفِ إِلَى انْقِسَامِ الْمَغَاصِبِ إِلَى صُغَائِرٍ وَكِبَائِرٍ، وَهُوَ مَرْبُوعٌ أَيْضًا عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا. وَقَدْ تَطَاهَرَ عَلَيَّ ذَلِكَ دَلَالِيلٌ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاسْتِغْنَالِ سُلْفِ الْأُمَمَةِ وَخَلْفِهَا“

تمام مسالک و فرقوں کے جمہور علمائے سلف و خلف کا موقف ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں صغائر اور کبائر۔ اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور کبائر و صغائر کے درمیان یہ تفریق کتاب و سنت کے نصوص اور سلف و خلف علماء کرام کے استعمال سے ثابت ہے۔ (المنهاج شرح صحیح مسلم بن حجاج - النووي: ۱/۱۸۹)

چنانچہ اہل علم نے کبیرہ کو صغیرہ سے الگ کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں کی ہے:

امام سفیان ثوری کہتے ہیں: الْكِبَائِرُ مَا كَانَ فِيهِ الْمُظَالِمُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْعِبَادِ - بندوں کے آپسی مظالم کبیرہ گناہ ہیں۔ (تفسیر البخاری - طبع: ۲۰۰۲ء)

قاضی ابوسعید ہروی کہتے ہیں: أَنَّ الْكَبِيرَةَ: كُلُّ فِعْلٍ نَصَّ الْكِتَابُ عَلَى تَحْرِيمِهِ، وَكُلُّ مَعْصِيَةٍ تَوْجِبُ فِي حِسْبِهَا حَذًّا مِنْ قَتْلِ أَوْ غَيْرِهِ، وَتُرْكُ كُلُّ فَرِيضَةٍ مَأْمُورٍ بِهَا عَلَى الْغُورِ، وَالْكَذْبُ فِي الشَّهَادَةِ، وَالرَّوَايَةِ، وَالْيَمِينِ. ہر وہ کام جس کو کتاب اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسی طرح ہر وہ معصیت جس پر حد جیسے قتل وغیرہ واجب ہو، اسی طرح کسی فوری مامور یہ فریضہ کو چھوڑ دینا اور گواہی، روایت اور قسم میں جھوٹ بولنا۔ (تفسیر القرآن العظيم - ابن کثیر: ۲/۲۸۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ ساری تعریفات قریب قریب ہیں البتہ کبیرہ کی تعریف میں سب سے زیادہ صحیح قول ابن عباس رضی

ایمان کی لغوی و شرعی تعریف اس میں کہیں کی اور یا دینی نیز اس کے جہات و اسباب ذکر کرنے کے بعد مرکب کبائر (بڑے گناہوں کو انجام دینے والے) کے سلسلے میں صحیح موقف واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس طور پر کہ گمراہ فرقوں میں بعض ایسے ہیں کہ ایک طرف ارتکاب کبائر کو ایمان کے لئے ذرا بھی مضر قرار نہیں دیتے تو دوسری طرف ایسے فرقے ہیں جو مرکب کبیرہ کو بالکل ایمان سے ہی خارج کر دیتے ہیں، اور ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو نہ ایمان سلامت رکھتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل کرتا ہے بلکہ ایمان کفر کے درمیان منزلہ بین المنزلتین کا نظریہ اپنائے ہوئے ہے۔ اس لئے اس باب میں اہل سنت و جماعت کی وسطیت (درمیانہ روش) کو جاننا انتہائی اہم ہے۔

اہل سنت کے یہاں کبیرہ کی تعریف: اہل علم کے درمیان کبیرہ کی تعریف اور صغیرہ سے اس کے امتیاز کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: قَالَ: الْكِبَائِرُ كُلُّ ذَنْبٍ خِصَمَهُ اللَّهُ بِنَارٍ أَوْ غَضِبَ أَوْ لَعَنَهُ أَوْ عَذَابَ.

”ہر وہ گناہ جس پر اللہ نے جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کی مہر (اس گناہ کے موضوع کو اس چاروں میں کسی حکم پر ختم کیا ہے) لگائی ہے“۔ (تفسیر القرآن العظيم - ابن کثیر: ۲/۲۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول اور مروی ہے: ”أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: كُلُّ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ كَبِيرَةٌ“ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ کبیرہ ہے۔ (تفسیر القرآن العظيم - ابن کثیر: ۲/۲۸۳)

لیکن محققین اہل علم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ سلف و خلف میں سے جمہور علماء کبیرہ اور صغیرہ کے درمیان تمیز و تفریق کرتے ہیں۔ امام نووی رحمہ

ہی اسے خالد غلط فی النار قرار دیتے جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں بلکہ وہ ایمان کے کسی میں داخل ہوتا ہے۔

یہ اور اس کے علاوہ دیگر علماء اہل سنت جن کا یہاں ذکر طوالت کے پیش نظر نہیں کیا گیا، ان کے اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلم، فاسق ہے وہ اپنے معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا اور اپنی معصیت کی وجہ سے ایمان کے منقطع مرتبے پر نہیں فائز ہوگا۔

قاضی فضیل بن عیاض کہتے ہیں: سمعت سفیان الثوری یقول: من صلی الی هذه القبلة فهو عندنا مؤمن والناس عندنا مؤمنون بالإقرار والموارث والمناکحة والحدود والذبايح والنسل ولهم ذنوب وعصایا الله حسبتهم إن شاء عذبهم وإن شاء غفر لهم، ولا ندری ما هم عند الله عز وجل۔

”میں نے سفیان ثوری کو کہتے ہوئے سنا: جو اس قبلہ (کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہو وہ ہمارے نزدیک مؤمن ہے۔ لوگ ہمارے نزدیک اقرار، وراثت، نکاح، حدود، ذبیحے اور قربانی کو ماننے اور اس میں ہمارے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے مؤمن ہیں۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں کہ ان کے یہاں گناہ بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس کا حساب کتاب اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے، اگر وہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ رب العالمین کے یہاں ان کی کیا حیثیت ہے۔“ (السنة - عبد الله بن أحمد: ۲/۲۶۶)

گرچہ اہل سنت والجماعت کا مرتکب کبیرہ کے اخروی اور دینی حکم کے بارے میں اتفاق ہے لیکن ونبی اعتبار سے مرتکب کبیرہ پر حکم کے سلسلے میں فقہی اختلاف ہے کہ اس کو کون سا نام دیا جائے گا؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مرتکب کبیرہ کو نام دینے کے اختلاف کے فرق کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَأَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى أَنَّهُ مُؤْمِنٌ نَاقِضُ الْإِيمَانِ وَلَوْلَا ذَلِكَ لَمَّا عَذِبَتْ كَمَا أَنَّ نَاقِضَ الْبِرِّ وَالْتَّقْوَى بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ وَهَلْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ مُؤْمِنٍ؟ هَذَا فِيهِ اقْتِرَافٌ وَالتَّصْخِصُ التَّفْصِيلُ۔ ”اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ناقض الایمان ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ

اللہ عزہ کا پرہیزگار ہوتا، اسی کو اکثر معتزلین اور متاخرین علماء نے اختیار کیا ہے۔

مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلم، فاسق ہے اپنی معصیت کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ مومن کامل الایمان ہے بلکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ مومن رہے گا اور کبیرہ کی وجہ سے فاسق ہوگا۔

امام حماد رحمہ اللہ اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”وَلَا نَكْفُرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلِّهِ، وَلَا نَقُولُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ“ اور ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) میں سے کسی کی تکفیر، کسی گناہ کی وجہ سے برگر نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اسے حلال سمجھے اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ معصیت کرنے والے کے لئے معصیت معتز نہیں ہے۔ (شرح الصحاویۃ - ابن أبي العز (ت: ۷۳۶)

شارح طحاویہ ابن ابی العز لکھتے ہیں: أَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ مُتَّفَقُونَ عَلَيْهِمْ عَلَى أَنَّ مَرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ لَا يَكْفُرُ كَفْرًا يَنْقُلُ عَنْ الْمِلَّةِ بِالْكَلِمَةِ، كَمَا قَالَتْ الْحَوَارِجُ ”تَمَامُ أَهْلِ سُنَّتِ كَاسِ بَاتِ پَرِ اِتِّفَاقِ ہِے كَ مَرْتَكِبِ كَبِيرَہِ اِیْمَا كَافِرِ بَرِگَر نَہِیں ہوتا كَ مِلَّتِ اِسلامِیہ سے بِالْكَلِمَةِ خارج ہو جائے جیسا كَ خَوَارِجِ كَہتے ہِیں۔“ (شرح الصحاویۃ - ابن أبي العز (ت: ۷۳۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَهُمْ مَعَ ذَلِكَ لَا يُكْفَرُونَ أَهْلَ الْقِبْلَةِ بِمُطْلَقِ الْمَعَاصِي وَالْكَبَائِرِ كَمَا يَفْعَلُهُ الْخَوَارِجُ، بَلِ الْأَخْوَفُ الْإِسْمَانِيَّةُ قَائِمَةٌ مَعَ الْمَعَاصِي ۰۰۰۰ وَلَا يَسْلُبُونَ الْقَاسِقَ الْبَلْبِي اسْمَ الْإِيمَانِ بِالْكَلِمَةِ وَلَا يَخْلِدُونَهُ فِي النَّارِ كَمَا تَقُولُهُ الْمُعْتَزِلَةُ بَلِ الْقَاسِقُ يَدْخُلُ فِي اسْمِ الْإِيمَانِ (مجموع الفتاوى - ابن تیمیة: ۱۵۱/۳)

”اہل سنت والجماعت مطلقاً معصیت اور کبائر کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے جیسا کہ خوارج کرتے ہیں، بلکہ ایمانی اخوت معصیت کے ساتھ بھی قائم رہتی ہے ۰۰۰۰ اور ملت اسلامیہ کے فاسق سے کلی طور پر ایمان نہیں ختم کرتے ہیں اور نہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَيَقُولُونَ: هُوَ مُؤْمِنٌ نَاقِضٌ الْإِيمَانِ أَوْ مُؤْمِنٌ بِإِيمَانِهِ فَأَبْسَقَ بِكَيْبَرِهِ، فَلَا يَغْنَعِيهِ الْإِسْمُ الْمُنْطَلِقُ وَلَا يَسْتَلْزِمُ مُنْطَلِقُ الْإِسْمِ۔

”اہل سنت و الجماعت مرتکب کبیرہ کو مومن ناقض الایمان کہتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ مومن اور اپنے کبیرہ گناہوں کے ساتھ فاسق ہے چنانچہ اس سے منطلق مومن کا نام دیا جائے گا اور نہ ہی اس سے منطلق مومن کا نام چھینا جائے گا۔“ (مجموع الفتاویٰ - ابن تیمیہ: ۱۵۲/۳)

تیسرے قول کے قائلین جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ کو مومن کا نام دیا جائے گا ان کی دلیل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وَإِنْ خَلَاغْتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلَحُوا لِنَفْسِنَا﴾ (الحجرات: ۹) ”اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرو“

یہ اور اس معنی کی دوسری آیتیں ہیں جن سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صاحب کبیرہ سے ایمان کی نفی نہیں کی ہے لہذا ہم بھی اس سے ایمان کی نفی نہیں کریں گے۔

درحقیقت اہل سنت و الجماعت کے علماء کا یہ اختلاف بہت گہرا اختلاف نہیں بلکہ یہ صرف لفظی اختلاف کے ضمن سے ہے کیونکہ ان تینوں اقوال کے قائلین اس نقطہ پر آ کر ایک ساتھ مل جاتے ہیں کہ صاحب کبیرہ مسلم ہے، اصل ایمان اس کے ساتھ قطعی طور پر پایا جاتا ہے اور اس کو نقص ایمان سے متصف کیا جائے گا۔ اور مذکورہ تینوں اقوال کے قائلین نے صاحب کبیرہ کے اندر جس معنی کو غالب پایا، جس کے ساتھ اسے قائم سمجھا ہے اس سے موسوم کرو یا سہ اور یہ خیال کیا ہے کہ یہ نام اس کے لئے ولایت کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حواارج و معتزلہ اور مرجعہ کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: وَالْمُضْجِخِ الْتَفْصِيلُ، فَإِذَا سَبَّلَ عَنْ أَحْكَامِ الدُّنْيَا كَمُعْتَبَرِهِ الْكُفَّارَةِ، قِيلَ: هُوَ مُؤْمِنٌ وَكَذَلِكَ إِذَا سَبَّلَ عَنْ دُخُولِهِ فِي عِبَابِ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَمَّا إِذَا سَبَّلَ عَنْ حُكْمِهِ فِي الْأَخْبَرَةِ، قِيلَ: لَيْسَ هَذَا التَّوَعُّدُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَوَعَّدُونَ بِالْخَبَرَةِ بَلْ مَعْدُ إِيمَانٍ يَمْتَنِعُهُ الْخُلُودُ فِي النَّارِ وَتَدْخُلُ بِهِ الْخَبَرَةُ بَعْدَ أَنْ يَغْدَبَ فِي النَّارِ إِنَّهُمْ يَغْفَرُ اللَّهُ لَهُمْ تَفْ۔

عذاب کا مستحق قرار نہ پایا، اسی طرح مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بھلائی اور تقویٰ میں اس کے یہاں کمی پائی جاتی ہے البتہ کیا اس پر مومن کا لفظ بولا جائے گا یا نہیں تو اس سلسلے میں دو اقوال ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ - ابن تیمیہ: ۲۵۴/۳)

ابن رجب اسلمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الشُّنَّةِ: هَلْ يَسْمَى مُؤْمِنًا نَاقِضُ الْإِيمَانِ، أَوْ يُقَالُ: لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ، لَكِنَّهُ مُسْلِمٌ، عَلَى قَوْلَيْنِ، وَهُمَا دَوَائِبَانِ عَنْ أَحْمَدَ۔

”اہل سنت و الجماعت کے اس سلسلے میں کہ کیا مرتکب کبیرہ کو مومن ناقض الایمان کہا جائے گا یا یہ کہ اسے مومن نہیں بلکہ مسلم کہا جائے گا دو مختلف قول ہیں اور دونوں اقوال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔“ (جامع العلوم والحکم - ابن رجب: ۲۷۴/۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کو نام دینے کے سلسلے میں اہل سنت و الجماعت کے کل تین اقوال ہوتے ہیں:

پہلا قول: مرتکب کبیرہ کو مسلمان کا نام دیا جائے گا۔

دوسرا قول: مرتکب کبیرہ کو مومن ناقض الایمان کہا جائے گا۔

تیسرا قول: مرتکب کبیرہ کو مومن کہا جائے گا۔

ان تینوں اقوال کے قائلین کی اپنی اپنی توجیہات ہیں جو اس طرح ہیں:

پہلے قول کے قائلین کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صاحب کبیرہ سے ایمان کی نفی کی ہے چنانچہ ہم بھی اس سے ایمان کی نفی کریں گے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہی کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس قول کے مخالفین و موافقین میں سے سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ کو متقی اور پرہیزگار نہیں کہا جائے گا لہذا اسی طرح اسے مومن بھی نہیں کہا جائے گا۔ (تعلیق قدر الصداقة: ج ۲: ص ۱۱۹)

دوسرے قول کے قائلین نے اصحاب کبار کے احوال پر غور کیا تو ان کے اندر ایمان اور محبت کو اکٹھا پایا چنانچہ یہ کہتے گئے کہ ہم اس کو مطلق مومن کا نام نہیں دیں گے اور نہ ہی اس سے اصل ایمان کا انکار کریں گے بلکہ ہم اسے مومن ناقض الایمان کا نام دیں گے۔

بنیاد پر کہ وہ اعمال کو ایمان سے خارج گردانتے ہیں اور اسے ایمان کی تعریف میں شامل نہیں کرتے ہیں۔ لہذا علماء کرام نے عصاة مسلمانوں کے بارے میں مرجعہ کے عقیدہ کو اقل کیا ہے چنانچہ:

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: **اختلف الناس في تسمية المذنب من أهل ملتنا فقلت المرجئة مؤمن كامل الإيمان وإن لم يعمل خيرا قط ولا كف عن شر قط۔**

”ہمارے اہل ملت کے درمیان گنہگار کو نام دینے کے سلسلے میں اختلاف ہے، چنانچہ مرجعہ کہتے ہیں: گنہگار مومن کامل الایمان ہے، اگرچہ وہ بھی کوئی خیر کا کام نہ کرے اور نہ ہی اپنے آپ کو شر سے روکے۔“ (النفص فی العمل والأھوا عو النحل - ابن حزم: ۳۷۴/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ گنہگاروں کے سلسلے میں لوگوں کے مذاہب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فَقَالَتْ الْمَرْجِيَّةُ: جَهَنَّمِيَّةٌ وَغُلُوٌّ جَهَنَّمِيَّةٌ: هُوَ مُؤْمِنٌ كَامِلٌ الْإِيمَانِ۔**

”مرجعہ والہ میں سے جہیم اور غیر جہیم کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مومن کامل الایمان ہے۔“ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۳۵۴/۴)

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: **فَقَالَتْ الْجَهَنَّمِيَّةُ وَالْمَرْجِيَّةُ: قَدْ غَلَبَتْنَا آيَةُ لَيْسَ يَخْلُذُ فِي النَّارِ وَالْآيَةُ لَيْسَ تَكْفِيهِ مَرْتَدًا، بَلْ هُوَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِذَا تَنَازَعْنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَجِبَ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا تَامًا الْإِيمَانِ۔**

جہیم اور مرجعہ کہتے ہیں یہ معلوم ہے کہ گنہگار نہ خالد مخلد فی النار ہے اور نہ کاغزو مرتد بلکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے، اور جب وہ مسلمانوں میں سے ہے تو ضروری ہے کہ وہ مومن تام الایمان ہو۔“ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۵۰۶/۱۳)

چنانچہ اسی قول کی بنیاد پر مرجعہ عام مسلمانوں کو قطعی مومن قرار دیتے ہیں اور اسی کے مطابق سارے احکامات کو نافذ کرتے ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری کہتے ہیں: **وَأَجْمَعَتِ الْمَرْجِيَّةُ بِأَسْرِهِا أَنَّ الدَّارَ دَارَ إِيْمَانٍ وَحَكَمَ أَهْلُهَا الْإِيْمَانِ إِلَّا مَنْ ظَهَرَ مِنْهُ خِلَافُ الْإِيْمَانِ۔**

صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے جب مرتکب کبیرہ کے نہ یاوی احکام کے بارے میں سوال کیا جائے جیسے کہ کفارہ میں اس کو آزاد کرنا درست ہوگا یا نہیں یا اسی طرح وہ مؤمنین کے خطاب میں داخل ہوگا یا نہیں تو کہا جائے گا وہ مؤمن ہے۔ اور جب اس کے اخروی احکام کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ وہ ان مؤمنین میں سے نہیں جن کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایمان کی اتنی مقدار ہے جو اس کو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے روکے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرتے ہیں تو جہنم میں عذاب دے جانے کے بعد جنت میں داخل کیا جائے۔ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۳۵۴/۴)

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام دنیا کے اعتبار سے مرتکب کبیرہ کو مومن کا نام دیا جائے گا اور اخروی اعتبار سے وہ اللہ رب العزت کی مشیت کے تحت ہوں گے اگر وہ چاہے تو اپنی رحمت سے انھیں جنت میں داخل کر دے یا انھیں انکے گناہوں کے سبب جہنم میں ڈالے پھر سزا کا تے کے بعد وہ جنت میں جائیں، بہر حال وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

مرجعہ کے یہاں کبیرہ کی تعریف: امام ابو الحسن الاشعری مرجعہ سے کبیرہ و صغیرہ کے درمیان اختلاف کو اقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ان کے دو فرقے ہیں: **واختلفت المرجئة في الصغائر والكبائر على مقالتي: فقلت الفرقة الأولى: كل معصية فهي كبيرة، وقالت الفرقة الثانية: المعاصي منها كبائر ومنها صغائر۔** (مقالات الإسلاميين - الأشعري: ۳۸۶)

پہلا فرقہ: ہر معصیت کبیرہ ہے۔

دوسرا فرقہ: معصیوں میں کچھ معصیت کبیرہ اور کچھ صغیرہ ہیں۔

پہلے فرقے کی تعریف کی روشنی میں معصیت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، کوئی معصیت کسی سے کبتر نہیں اور دوسرے فرقے کی تعریف کی روشنی میں معاصی کے درمیان فرق ہے، اس طور پر کہ کچھ گناہ کبیرہ ہیں اور کچھ گناہ صغیرہ ہیں۔

مرتکب کبیرہ کے بارے میں مرجعہ کا عقیدہ: مرجعہ مرتکب کبیرہ کو مومن کامل الایمان قرار دیتے ہیں اپنے اس دلیل کی

بنو امیہ پر الزامات کا جائزہ

تحریر: علامہ محمود شاہ کریم رحمہ اللہ
ترجمانی: محمد جعفر انوار الحق الہندی

کمانی کا ایک حصہ روزانہ اس کو ادا کرتی تھی، شہری آبادی سے دور جہاں فاحشات اور بدکار عورتیں رہتی تھیں وہیں یہ بھی رہتی تھی، وہ ایک محلہ تھا جس کا نام ”زانیوں کا محلہ“ تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ جیسا کہ ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں فارس کا گورنر بنایا اور اسماعیل بن حنیف کو وہاں سے نکال دیا تو زیاد نے اہل فارس کو آپس میں لڑایا اور ایک کے ذریعہ دوسرے کو زیر کیا حتیٰ کہ وہ فارس پر غالب آ گئے، وہ اس کے مختلف آباد علاقوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ فارس کے حالات ٹھیک ہو گئے، پھر انہیں اعظمیٰ کا گورنر بنایا، اس درمیان معاویہ ان کو برابر دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔

حتیٰ کہ بسر بن ارقطاع نے عبید اللہ اور سالم زیاد کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر لیا اور اس کو حلیفہ خط لکھا کہ اگر تم واپس نہ آئے اور معاویہ کی طاعت میں داخل نہ ہوئے تو ان دونوں کو قتل کر دوں گا۔

ادھر معاویہ نے بسر کو لکھا کہ زیاد کے بیٹوں سے کوئی تعرض نہ کرو اور زیاد کو انہوں نے خط لکھا کہ میری طاعت میں داخل ہو جاؤ، میں تمہیں تمہارے عہدہ پر برقرار رکھوں گا، زیاد معاویہ کے پاس آیا اور ان سے کچھ مال اور زیورات پر مصالحت کر لی اور معاویہ نے انہیں اپنا جانشین بنانے کی پیشکش کی لیکن زیاد نے انکار کر دیا، زیاد کے معاویہ کے پاس آنے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا تھا: دور والا نشانہ لگاؤ، فضول چیزوں کو چھوڑ دو، حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی اس امر یعنی خلافت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھا سکتا اور انہوں نے بھی معاویہ سے بیعت کر لی ہے، تم ان کے قدرت پانے سے پہلے

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متم کیا گیا کہ انہوں نے زیاد بن ابیہ کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا یعنی اپنے باپ کے بارے میں زنا کی شہادت دی، حالانکہ اس وقت تک ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، اور یہ صرف اس لئے تاکہ انہیں اپنی جانب مائل کر سکیں اگرچہ کہ اس سے ان کا دین چلا جائے، مسعودی نے کہا: سنہ ۴۴ ہجری میں جب معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے باپ ابوسفیان سے الحاق کا ارادہ کیا تو زیاد بن اسماء الحمر مازی، مالک بن ربیعہ السلولی اور منذر بن الزبیر بن العوام نے ان کے پاس شہادت دی کہ ابوسفیان نے ان کو بتایا ہے کہ زیاد ان کا بیٹا ہے، اور جب زیاد کا تذکرہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ہوا تب ابوسفیان نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

اللہ کی قسم! اگر ایک شخص کا خوف نہ ہوتا

اے علی! جو مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے

تو صخر بن حرب اس کے معاملے کو واضح کر دیتا

اور زیاد کے معاملے کو پوشیدہ نہ رکھتا

لیکن مجھے ہی ہتھیلی کی گردش کا خوف ہے

جو مجھ سے انتقام لے سکتی ہے اور مجھے شہر بدر کر سکتی ہے

ثقیف کے ساتھ میری کشش طویل ہے

اور میں نے ان میں اپنے دل کے ٹکڑے کو چھوڑ دیا

اس کے بعد ابومریم السلولی کی شہادت نے ان کے عقین میں

اضافہ کر دیا، کیوں کہ وہ اس معاملے کی ابتدا کو سب سے زیادہ

جاننے والے تھے، اس لئے کہ انہوں نے ہی جاہلیت

میں ابوسفیان اور سمیہ ام زیاد کو زنا کے لئے اکٹھا کیا تھا، سمیہ

طائف میں جھنڈے والیوں میں سے تھی، (فاہشہ عورتیں اپنے

گھروں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں تاکہ لوگ فاشی کے لئے

ان کا قصد کریں) اور حادث بن کلدہ کو نکلس دیتی تھی یعنی اپنی

اور پھر صاحب فراش کے لئے ہے، جو کہ اللہ کی کتاب کی مخالفت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منہ موڑنا ہے اور وہ بھی اس ناطقے کا بومریم نے ابوسفیان کے زنا کی شہادت دی ہے؟ معاویہ نے کہا: واللہ اے یونس! باز آ جاؤ، ورنہ تمہیں اس طرح اڑاؤں گا کہ بہت آہستہ آہستہ نیچے آؤ گے۔“ (ہروج الذهب: ۱۶۳-۱۶۴)

اس روایت کا ضعف بالکل واضح ہے، نہ یاد نے اپنے سامنے یہ گفتگو کیسے گوارا کی؟ معاویہ نے اسے کیسے قبول کیا؟ اور مسلمان، امام اور خلیفہ کی اس کھلی مخالفت سے راضی کیسے ہوئے؟ کیا احساسِ مٹ گیا تھا؟ کیا دینِ فتنہ ہو گیا تھا حالانکہ صحابہ کبار بھی باحیات تھے؟!

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کیا گیا کہ وہ کہا بہ صحابہ ابو بکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتے تھے، ان کی طرف ایک خط منسوب کیا گیا ہے، جسے انہوں نے مصر پر علی رضی اللہ عنہ کے گورنر محمد بن ابی بکر کو بھیجا تھا کہتے ہیں: جب تمہارے والد ہمارے درمیان موجود تھے، ہم ان کی فضیلت کو جانتے تھے اور ان کا حقوق ہم پر لازم ہے اس کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس کی نعمتوں کے لئے چن لیا، اور اپنا وعدہ پورا کر دیا، آپ کی دعوت کو غالب کر دیا، اور جنت کو واضح کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا، صلوات اللہ علیہ، جب تمہارے باپ اور فاروق نے سب سے پہلے ان کا حق مار لیا، اور ان کے معاملے میں ان کی مخالفت کی، ان دونوں نے اس کی پلاننگ کر کے اس پر اتفاق کر لیا تھا، ان دونوں نے انہیں اپنے گھر بلایا، انہوں نے آنے میں تاخیر کی اور مالِ مٹول سے کام لیا، اس پر ان دونوں نے ان کے بارے میں بدترین بات سوچی اور بڑی بات کا ارادہ کیا، پھر انہوں نے دونوں سے بیعت کر کے معاملہ ان کے حوالے کر دیا، وہ دونوں اسے اس طرح نبھاتے رہے کہ انہیں کسی معاملے میں شریک نہ کرتے اور اپنے کسی راز سے انہیں آگاہ نہ کرتے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر تیسرے آدمی عثمان کھڑے ہوئے انہوں نے انہیں دونوں کا طریقہ اپنا یا اور انہیں کے راستے پر چلے، جب تم نے اور تمہارے ساتھی نے ان پر عیب لگایا، جس سے دور رہنے والے اہل معصیت کو ان کے بارے میں لالچ پیدا ہوا، تم دونوں نے ان کے لئے مصائب طلب کئے، اور ان

اپنے نفس کے لئے بچاؤ کر لو، زیاد نے کہا: پھر آپ مجھے مشورہ دیں، مغیرہ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم اپنی اصل کو ان کی اصل کی طرف منتقل کر لو، اور اپنی دلی کو ان کی دلی سے جوڑ لو، اور اپنی زبان کو بند رکھو کہ لوگوں کو لگے کہ تمہارے کان بھرے ہیں، زیاد نے کہا: اے مغیرہ بن شعبہ! کیا میں ایسی جگہ پودا لگاؤں جہاں پنپ نہ سکے، نہ مٹی ہے جو اسے زندہ رکھے اور نہ جڑیں ہیں جو اسے سیراب کریں، پھر اس کے بعد زیاد نے مغیرہ کی بات مان لی اور اس دعویٰ کو قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر جویریہ بنت ابوسفیان نے اپنے بھائی معاویہ کا حکم اسے بھیجا تو وہ آیا، جویریہ نے اسے اجازت دیدی اور اس کے سامنے اپنے بالوں کو کھول دیا اور کہا: تم میرے بھائی ہو مجھے ابومریم نے یہ بات بتائی ہے۔

اس کے بعد معاویہ زیاد کو لے کر مسجد گئے اور لوگوں کو جمع کیا، ابومریم اسلولی کھڑے ہوئے اور کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ ابوسفیان طائف میں ہمارے پاس آئے اور میں چاہلیت میں بلاؤش تھا، انہوں نے کہا: میرے لئے کوئی فاحش تلاش کرو، میں ان کے پاس آیا اور کہا: حارث بن کلدہ کو لونڈی سیہ کے علاوہ مجھے دوسری ندی، ابوسفیان نے کہا: اسی کو لے آؤ، حالانکہ بدبو دار گندگی اس کے ساتھ ہے، اس پر زیاد بول پڑا اور کہا: اے ابومریم! اٹھ جا، تم شاہد بن کر کھڑے ہوئے ہو، سب وشم کے لئے نہیں، ابومریم نے کہا: اگر تم مجھے معاف کر دیتے تو بہتر ہوتا، میں نے تو اسی بات کی شہادت دی جس کا میں نے مشاہدہ کیا ہے، واللہ! اس کی قمیص کی آستین اس نے پکڑ لی، میں نے دروازہ بند کر دیا اور دہشت زدہ ہو کر بیٹھ گیا، پھر وہ تھوڑی دیر بعد پیشانی پوچھتے ہوئے نکلا، میں نے کہا: ابوسفیان! کیا حال ہے؟ کہا: ابومریم! میں نے اس کی مانند کسی کو نہ پایا، اگر اس کی چھائی لنگی ہوئی اور منہ میں ہو تو ہوتی پھر زیاد کھڑا ہوا اور کہا: اے لوگو! اس شاہد کا بیان تم نے سنا، میں نہیں جانتا کہ اس میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، عید تو گود میں پلا ہوا فادار پلاؤں شکرگوئی تھا، شاہد اپنی بات کو زیادہ جانتا ہے، اس پر یونس بن عیینہ، صفیہ بنت عبید بن اسد بن عداس ثقفی کا بھائی -صفیہ سمیعہ کی ماں تھیں- کھڑا ہوا اور کہا: اے معاویہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا فراش والے کا ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہے اور آپ نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا زانی کا ہے

کرتے تھے اور ان پر رحمت بھیجتے اور ان کے لئے رضی اللہ عنہ کہتے تھے، اے اعدہ کے غلو پرستوں نے اضافہ کیا، تحریف کی اور تہمت سازی سے کام لیا، حتیٰ کہ شیعہ و انصار علی اور باقی مسلمانوں کے درمیان دوریاں بن گئیں، اور دونوں کے درمیان ناقابلِ عبور رکھائی کھد گئی، حالانکہ سابق میں یہ بات نہ تھی بلکہ وہ ساتھ میں نماز پڑھتے اور ساتھ میں چہلو کرتے تھے، اور فوجات کے لئے ساتھ میں ہی نکلتے تھے مگر اب تو وہ دو فریق بن گئے، شیعہ مسلمانوں کے امام کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے اور ان کے علمی مراجع و مصادر کا اعتراف نہیں کرتے، اور صرف انہیں راویوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک لائق قبول ہوں اگرچہ کہ وہ میمون القدر اور ان کے ہم شکل لوگ ہوں۔

۱۔ ابو مسلم خولانی چند لوگوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ سے نزاع کر رہے ہیں کیا آپ ان کی طرح اور ان کے مثل ہیں، فرمایا: اللہ کی قسم انہیں، میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور اس امر (خلافت) کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کئے گئے ہیں، میں ان کا چچا زاد ہوں، اور ان کے خون (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہوں، ان سے جا کر کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کریں اور میں انہیں تسلیم کر لوں گا، وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے انہیں ان کے حوالہ نہ کیا،“ (سیر اعلام النبلاء: ۴۰۳، ۴۰۴، بسند صحیح، دیکھیں: مجلہ اہل السنۃ توہمہ: ۲۰۱۵، تائیل صفحہ) (مترجم)

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ حملہ کیا جاتا ہے کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا، صرف اسی لئے نہیں، کیوں کہ اس حقی نے بھی جانشین بنایا تھا جو ان سے افضل تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا، بلکہ یہ اعتراض اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی محبت اور ان کو دوسروں سے افضل قرار دیتے ہوئے اسے اپنا جانشین بنایا تھا، حالانکہ مسلمانوں میں اس سے بہتر لوگ موجود تھے اور انہوں نے اپنے اس عمل کے ذریعہ نظامِ حکومت کو شوری کے بجائے کائٹ کھانے والی بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔

سے اپنی عداوت ظاہر کر دی، حتیٰ کہ تم دونوں اپنی آرزو اور اپنی مراد کو پہنچ گئے، اے ابن ابی بکر! تم اپنا بچاؤ کر لو، اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرو، ہم اس شخص کی برابری نہیں کر سکتے جس کا حکم اور برو باری بھانڈوں کے برابر ہے، اور جس کا تیز روختی سے نرم نہیں ہوتا، اور گفتگو کرنے والا جس کے صبر کو نہیں پہنچ سکتا، تمہارے باپ نے یہ راستہ ہموار کیا ہے اور اپنی حکومت کی بنیاد رکھی ہے اگر جو ہم کر رہے ہیں درست ہے تو تمہارے باپ نے یہ استدہا کیا ہے اور ہم ان کے شرکاء ہیں، اگر تمہارے باپ نے سابق میں ایسا نہ کیا ہوتا تو ہم علی رضی اللہ عنہ کی خلاف ورزی نہ کرتے اور حکومت ان کے حوالہ کر دیتے، لیکن ہم نے دیکھا کہ تمہارے باپ نے پہلے ہی ایسا کر رکھا ہے، لہذا ہم نے بھی اسی پر عمل کیا ہے، تم جتنا چاہو اپنے باپ کو عیب لگاؤ یا چھوڑ دو، سلامتی ہو اس شخص پر جو چلے۔ (مروج الذهب: ۲۲۳-۲۲۴)

اس کا ضعف بالکل واضح ہے اور یہ بھی کہ یہ بعد میں دشمنوں کی وضع کی ہوئی روایت ہے کیوں کہ ابتدا میں علی رضی اللہ عنہ کی ایسی شان ہے جو کہ خالی امامیہ کا طریقہ ہے اور دیگر خلفاء راشدین پر بھی طعن و تشنیع ہے اور پھر معاویہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ کو جب علی رضی اللہ عنہ نے مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تو معاویہ نے ان کو خط لکھا: ”اما بعد! ہم یہودی ہو۔۔۔۔۔“ (مروج الذهب: ۲۵۳)۔ معاذ اللہ!

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی گئی ہے کہ وہ منبروں سے علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتے تھے، اور لوگوں کو لعنت بھیجنے کا حکم دیتے تھے، اور اسی طرح ان کے گورنری کرتے تھے، اس تہمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام مسلمان اس تہمت میں شریک ہیں جو اس سے راضی تھے اور اس کی تردید نہ کرتے تھے۔

ہر مسلمان علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اور ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی مسلمان ایسی حرکت سے راضی ہو، یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس سے بڑا کوئی جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فقط نظر کے اختلاف کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا احترام و تکریم کرتے تھے اور ان کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کی مدح و ستائش

نشانہ بنا یا گیا۔ اگرچہ کہ عام طور سے پورے بنو امیہ پر بہتان و کذب گھڑا گیا مگر خلفاء میں سب سے زیادہ معاویہ اور یزید کو تہمتوں اور الزامات کے ٹکھڑے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔۔۔

[۲]

یزید پر تہمت لگائی گئی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا حقیقی سبب وہی تھے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے کیوں کہ یزید اور معاویہ کی جگہ کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے پھر وہ کیسے امر صادر کرتے اور لوگوں کو منع کرتے اور کیسے لوگوں کو کاٹنے یا جوڑتے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی صداقت ہے کہ وہ ایسے ظالم تھے جنہیں اتنی زیادہ قوت حاصل نہ تھی اور صورت حال ابھی تک ان کے لئے اتنی سازگار بھی نہ تھی اور عراق میں تو عبید اللہ بن زیاد ہی کی شخصیت ظاہر وغالب تھی۔

یزید کو تنہم کیا گیا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے خوش ہوا، حالانکہ معاملہ ایسا نہ تھا، بلکہ وہ دو پڑے، شہر اور ابن زیاد کو لعن طعن کیا اور کہا: اگر ابن زیاد کے بدلے میں وہاں ہوتا تو انہیں معاف کر دیا، کہ بلا سے دمشق آنے والی عورتوں کو اپنی عورتوں کے پاس بھیجا اور تین روز تک گریہ و زاری اور چیخ و پکار مستمر رہی، وہ علی بن الحسین کو ساتھ لئے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، پھر اس کے بعد قتل کو کھانٹنے کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔

اسی طرح انہیں اس لشکر پر بھی پورا کنٹرول اور مکمل غلبہ حاصل نہ تھا جس نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے مباح کئے رکھا، کیوں کہ اہل مدینہ نے نافرمانی، سرکشی، بیعت توڑنے اور مدینہ سے بنو امیہ کو شہر بدر کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

یزید پر تہمت لگائی گئی کہ وہ شراب کا عادی تھا، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ اپنے ماتحت سارے علاقوں میں اس نے شراب نوشی کو عام کر دیا تھا اور بڑی عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس جیسی رائے کو قبول کر لیا جائے!!

اسلامی حکومت میں کبھی بھی اور کسی بھی زمانے میں اخلاقی طور پر فساد و بگاڑ اور شراب نوشی عام نہ تھی، پھر یہ بات کیسے ہو سکتی ہے جب کہ صحابہ کرام کی اولاد میں موجود تھیں بلکہ بعض صحابہ بھی ابھی بقیہ حیات تھے! مسعودی نے کہا: ”یزید موعج مسقی کرنے والا، شکاری جانوروں کو پالنے والا، کتے بندر اور چیتے وغیرہ جانوروں سے کھیل کر مٹانے کرنے والا، اور راتوں کو جام

معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بھی حملہ کیا گیا ہے کہ جب شام کی امارت انہیں سونپی گئی تو بادشاہت کی عظمت اور اس کے جاہ جلال کے اظہار میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کی تقلید کی۔

شاید وہاں کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کیوں کہ وہاں کے شہریوں کی حادث اور سلطان کی حیثیت کے سلسلے میں ان کا نظریہ بنی تھا، بطری نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے کہا: ”عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکلے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ شاہی قافلہ اور شاہانہ کوفر کے ساتھ ان کا استقبال کر رہے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے معاویہ! تم شاہانہ قافلے میں آتے اور جاتے ہو، مجھے یہ بات پسند نہیں ہے تم اپنے گھر میں رہتے ہو اور حاجت مند لوگ تمہارے دروازے پر رچے ہیں، انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! دشمن یہاں سے قریب ہے، اور ان کے جاسوس یہاں بکھرے رہتے ہیں، اس لئے میں نے چاہا کہ وہ اسلام کی عزت و دسر بلندی کا مشاہدہ کریں“ اس پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: یہ عقل مند آدمی کی چال ہے، یا دانا آدمی کا دھوکہ، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آپ کی مرضی ہو مجھے حکم کریں، میں اسے تسلیم کروں گا، فرمایا: تم پر انہوں نے! جب بھی میں نے کسی ایسے معاملے میں تم سے گفتگو کی جسے میں تمہارے لئے عیب سمجھتا تھا تو تو نے مجھے ایسی پوزیشن میں لاکھڑا کیا کہ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ تمہیں حکم دوں یا منع کروں۔“ (تاریخ الطبری: ۳۱۶/۵)

عمر رضی اللہ عنہ زہد و ورع کے پیکر اور تکلف سے بہت دور رہنے والے تھے اور اپنے گورنروں کے معاملے میں بہت سخت تھے اگر وہ ان میں کوئی بات پاتے تو ان کا ہاتھ کچڑ لیتے اور ایک دن بھی انہیں ان کی گورنری پر باقی نہ رہنے دیتے۔

اور ربی بات مسجد میں امام کے خصوصی کمرہ اور میر بنانے کی، تو حالات اس کے متقاضی تھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یزید بن معاویہ کو بھی تنہم کیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ انہیں اور ان کے باپ کو سب سے زیادہ تہمتوں کے زمرے میں رکھا گیا، اور ان کی طرف منسوب کر کے انہیں لوگوں کو شہر کیا گیا اور بہت زیادہ جھوٹ بولا گیا اور بہتان لگایا گیا، ان کے باپ کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع و اختلاف کے سبب، اور ان کو ان کے زمانہ خلافت میں حادثہ کر بلا و شوماء ہونے کی وجہ سے تہمتوں کا

فرمایا: اس کے بعد نبی ﷺ کو کبھی مکمل طور سے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی، اسے ابو یعلیٰ، حاکم اور یحییٰ نے روایت کیا ہے، اور سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ: نبی ﷺ نے بنو امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا، آپ کو یہ بات ناگوار لگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی کہ انہیں صرف دنیا دی گئی ہے اس سے آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو گئی، اسے یحییٰ نے روایت کیا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے ایک ایک آدمی کو اپنے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو یہ بات آپ کو ناگوار لگی، تب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَكْذَرُ اللَّعْنَةَ الْقَدْرَ، لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ (القدر: ۱-۳) ایک ہزار ماہ یہی بنو امیہ کی مدت حکومت ہے، قاسم بن جہیم بن فضل کہتے ہیں: ہم نے بنو امیہ کی مدت حکومت کا حساب لگایا تو وہ ٹھیک ایک ہزار ماہ ہے نہ کم نہ زیادہ، اسے ترمذی، حاکم اور یحییٰ نے روایت کیا ہے۔

زہری اور عطاء خراسانی نے کہا: کہ نبی ﷺ نے حکم سے کہا: ”میں حیري اولاد کو اپنے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں“ اسے قاسم بن جہیم نے روایت کیا، جہیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ حکم بن ابی العاص کا گزر ہوا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کی صلیبی اولاد سے میری امت کی تباہی ہے“ اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔

ان احادیث و روایات کا ظاہری معنی اس کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر واضح طور سے دلالت کر رہا ہے جو ہمیں اس کی سند پر بحث و فقہ سے بے نیاز کر دے رہا ہے، نبی ﷺ نے کئی مرتبہ لعن طعن سے منع کیا ہے اور بعض دفعہ بعض صحابہ کرام کو اس اوٹ سے استاد یا جس پر انہوں نے لعنت بھیجی تھی، اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں لعن طعن کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں“ پھر یہ روایتیں کہاں سے آئیں، جن میں بنو امیہ پر بکثرت لعنت بھیجی گئی ہے؟! حتیٰ کہ ابو جہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، ابی ابن خلف، ولید بن مغیرہ، اور عبداللہ بن سلول وغیرہ و دوسا مشرکین جو اپنے کفر و عناد میں

شراب لٹھا کر خوش گیمیاں کرنے والا تھا، قتل حسین کے بعد ایک دن شراب پینے بیٹھا جب کہ ابن زیاد اس کے دائیں جانب تھا، اس نے ساتی کی طرف متوجہ ہو کر یہ اشعار پڑھے!

مجھے ایسا گھونٹ پلا جو میرے دل کو سیراب کر دے

اور اس کے بعد قاسم ابن زیاد کو بھی اسی جیسا گھونٹ پلا،

جو میرا راز دار اور دشمن ہے،

اور میرے بھاد و قیمت کو درست کرنے والا ہے،

یزید کے ساتھیوں اور اس کے گورنروں پر فتن و فجو ر غالب تھا وہ خود بھی وہی کرتا تھا، اسی کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں گانا ظاہر ہوا اور لبو ولعب کے سامان استعمال کئے گئے، اور لوگوں نے علانیہ شراب نوشی کی۔ (ہروج الذہب: ۷۷۳)

[۳]

مروان بن الحکم کے بارے میں لوگوں نے بڑی باتیں کیں، حیاۃ النہوان میں ایک عبارت اس طرح ہے: حاکم نے مستدرک میں کتاب الفتن والاملام میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: جس کسی کو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا وہ اسے نبی ﷺ کے پاس لاتا اور آپ اس کے لئے دعا کرتے، آپ کے پاس مروان بن الحکم کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”گرگت بن گرگت اور ملعون بن ملعون“ ہے۔ اس کو روایت کرنے کے بعد حاکم نے کہا: ”صحیح الاسناد“ پھر انہوں نے عمرو بن مرة الجعفی سے روایت کیا ہے جو کہ صحابی تھے کہ حکم بن العاص نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی، آپ نے اس کی آواز پہچان لی اور فرمایا: اسے اجازت دیدو، اس پر اور جو اس کی حلیہ سے لکھے گا اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو، سوائے مومن کے، اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، وہ لوگ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور آخرت کو برباد کر دیں گے، دھوکہ باز اور مکار ہوں گے، انہیں دنیا سے نوازا جائے گا اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا“

اسی طرح کتاب ”الاشیاء فی أشرار السامیہ“ میں بنو امیہ کی مذمت میں وارد تمام صحیح و غیر صحیح روایات کو جمع کر دیا ہے، اس میں ہے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں حکم کی اولاد کو دیکھا کہ وہ میرے منبر پر ایسے ہی چڑھ رہے ہیں جیسے کہ بندر چڑھتا ہے“

کیا علی رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قنوت میں بددعا کرنا ثابت ہے؟؟؟

کتاب کفایت اللہ سائلین (مہاشی عتبات الدین علیہ السلام)

روایت :

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوفی: ۳۱۰) نے کہا:
 حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، قَالَ:
 حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ، عَنِ ابْنِ مَعْقِلٍ،
 قَالَ: قُلْتُ بَنَّا وَجَلَّانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلِيُّ وَأَبُو مُوسَى.
 عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے صحابہ میں دو حضرات نے ہمیں قنوت پڑھائی ایک علی رضی
 اللہ عنہ اور دوسرے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (تذیب
 الآثار: ۳۶۰، اسنادہ صحیح)

الحکم بن عتیبة کی روایت :

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوفی: ۳۱۰) نے کہا:
 حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعُودَةَ الشَّامِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا
 يَزِيدُ بْنُ عَيْنِی، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ الْحَكَمِ
 بْنِ عُتَيْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: قُلْتُ بَنَّا
 وَجَلَّانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
 عَلِيُّ، وَأَبُو مُوسَى.
 عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے صحابہ میں دو حضرات نے ہمیں قنوت پڑھائی ایک علی رضی
 اللہ عنہ اور دوسرے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (تذیب
 الآثار: ۳۶۰، اسنادہ صحیح)

سلمة بن کھیل کی روایت :

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ (التوفی: ۲۱۱) نے کہا:
 عَنْ يَحْيَى، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ
 عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، أَنَّ عَلِيًّا قُلْتُ فِي الْمَغْرِبِ، فَدَعَا

امام ابن ابی حمزہ رحمہ اللہ (التوفی: ۲۲۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا
 عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ
 الْعَصَاةِ، قَالَ: فَقُلْتُ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ
 بِسُغَاوِيَةِ وَأَشْيَاعِهِ وَعَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي
 الْأَعْوَرِ السُّلَمِيِّ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ.
 عبد الرحمن بن معقل کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور آپ نے قنوت کیا اور قنوت
 میں یہ الفاظ کہے: "اے اللہ معاویہ اور اس کے گروہ، عمرو بن
 العاص اور اس کے گروہ، ابوالاعور السلمی اور عبد اللہ بن قیس اور
 اس کے گروہ کو پکڑ لے ان کو برباد کر دے"۔ (معجم ابن
 ابی شیبہ، مسلفہ: ۳۱۷)

یہ روایت آج کل بہت پیش کی جا رہی ہے ہماری نظر میں یہ
 روایت ضعیف ہے۔

آگے ہم اس کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو طریق سے مروی ہے:

پہلا طریق : عبد اللہ بن معقل

دوسرا طریق : عبد الرحمن بن معقل

پہلا طریق : عبد اللہ بن معقل

کی روایت

عبد اللہ بن معقل سے درج ذیل لوگوں نے روایت کیا ہے:

ابو حصین عثمان بن عاصم

الحکم بن عتیبة

سلمة بن کھیل

ابو حصین عثمان بن عاصم کی

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوثی: ۳۱۰) نے کہا:

خَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: خَدَّثَنَا أَبُو ذَاوُدَ، قَالَ: خَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عُثَيْدِ أَبِي الْحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ، يَقُولُ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقُنْتُ.

عبد الرحمن بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا۔ (تہذیب الآثار للعلامة: ۱/۳۶۰، وخرجه ايضا الطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۱، من طریق ابی داؤد بہ وخرجه ايضا البيهقي فی سننه: ۲/۲۵۵، من طريق عبيد الله بن معاذ عن ابیه عن شعبة نحوه)

عبد الرحمن بن معقل کے اس شاگرد کی روایت میں بھی ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

حمید:

یعقوب فوسی نے عبید اللہ بن معاذ کے طریق سے اسی روایت کو نقل کیا تو معاویہ اور ابوامر کا نام ذکر کر دیا۔ (المعرفة والتاريخ للفسوی: ۱۲۵۳)

لیکن امام بیہقی کی سنن میں عبید اللہ بن معاذ کی طریق سے یحییٰ بن محمد الحنای نے روایت کیا تو انہوں نے کسی کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ لابی یحییٰ: ۲/۲۴۵)

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی عبید اللہ بن معاذ ہی کے طریق سے یہ روایت یوں نقل کی ہے:

مَعَاذُ بْنُ مَعَاذٍ، نَا شُعْبَةَ، عَنْ عُبَيْدِ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: "شَهِدْتُ عَلِيًّا قُنْتُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ الرُّكُوعِ، وَيَذْعُو فِي قُنُوتِهِ عَلِيَّ حُمْسَةَ رَهْطٍ.

عبد الرحمن بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر میں حاضر ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد قنوت کیا اور پانچ لوگوں کے خلاف بدعا کی۔ (تہذیب الآثار للعلامة: ۱/۲۵۱)

عَلَى نَاسٍ وَعَلَى أَشْيَاعِهِمْ، وَقُنْتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ. عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مغرب میں قنوت پڑھی اور کچھ لوگوں اور ان کے پیروکاروں پر بدعا کی، اور رکوع سے قبل قنوت کیا۔ (المصنف لعلامة: ۱/۷۴۳، و اسنادہ صحیح) یہ طریق صحیح و ثابت ہے۔

اس طریق سے مروی تمام روایات میں سے کسی ایک بھی روایت میں ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

❦ **دوسرا طریق: عبد الرحمن بن معقل**

عبد الرحمن بن معقل سے درج ذیل لوگوں نے روایت کیا ہے:

سلمہ بن کھیل

ابو الحسن عبید بن الحسن

حصین بن عبد الرحمن السلمی

❦ **سلمہ بن کھیل کی روایت:**

امام ابن المذہب رحمہ اللہ (التوثی: ۳۱۹) نے کہا:

خَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُبَيْدَ اللَّهِ عَنْ شُعْبَانَ، عَنْ سَلْمَةَ بْنِ كَهَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قُنْتُ فِي الْمَغْرِبِ قَدْعَاً عَلَى أَنَاسٍ وَعَلَى أَشْيَاعِهِمْ، وَقُنْتُ بَعْدَ الرُّكُوعِ.

عبد الرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مغرب میں قنوت کیا اور کچھ لوگوں اور ان کے پیروکاروں پر بدعا کی اور رکوع کے بعد قنوت کیا۔ (الذو سطر لابن الجنید: ۵۰/۲۱۰، و اسنادہ صحیح)

عبد الرحمن بن معقل کے اس شاگرد کی روایت میں ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

❦ **ابو الحسن عبید بن الحسن کی**

روایت:

مزید یہ کہ امام ابو داؤد والے مذکورہ طریق میں بھی کسی کا نام مذکور نہیں ہے۔

اس لئے یہی روایت محفوظ ہے۔

غلامہ یہ کہ ابو الحسن عبید بن الحسن کی روایت میں کسی کے نام کی صراحت ثابت نہیں ہے، اور ابو الحسن عبید بن الحسن بالاجماع ثقہ ہیں بلکہ:

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے کہا:
"اجمعوا علی أنه ثقة حجة".

اہل فن کا اجماع ہے کہ یہ ثقہ اور جت ہیں۔ (الاستیعاب، بحوالہ اكمال التذیب الکمال لمغلطای: ۸۹، ۸۹، التذیب التذیب لابن حجر، ط: المکتبۃ: ۶۲/۷)

حصین بن عبد الرحمن السلمی کی

روایت:

ان سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے:

☆ شعبہ بن الحجاج

ابو حفص علی بن رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۱) نے کہا:

خَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ، قَالَ: لَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَعْقِلٍ، يَقُولُ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْمَغْرِبَ فَفَنَنْتَ وَدَعَا.

عبد الرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز مغرب پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا اور دعا کی۔ (شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۲، و اسنادہ صحیح)

☆ شریک بن عبد اللہ

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۵) نے کہا:

خَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ الْمَغْرِبَ، فَفَنَنْتَ.

عبد الرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز مغرب پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا۔ (سلفیہ: ۲/۳۱۸، و اسنادہ صحیح)

حصین سے روایت کرنے والے ان کے مذکورہ دونوں تلامذہ (یعنی شعبہ اور شریک) بھی روایت نقل کرتے ہیں مگر ان میں کوئی بھی کسی کا نام ذکر نہیں کرتا جس پر علی رضی اللہ عنہ بد دعا کرتے ہیں۔

لیکن حصین کے شاگرد حشیم نے جب ان سے یہ روایت بیان کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ و غیرہ کا نام ذکر کر دیا ملاحظہ ہو:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۵) نے کہا:

خَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ: خَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، قَالَ: فَفَنَنْتَ، فَقَالَ لِي قُنُوتِهِ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِسُعَاوِيَةِ وَأَشْيَاعِهِ وَعُسْرُوبِ الْعَاصِ وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي الْأَعْوَرِ السَّلْمِيِّ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ.

عبد الرحمن بن معقل کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور آپ علیہ السلام نے قنوت کیا اور قنوت میں یہ الفاظ کہے "اے اللہ معاویہ اور اس کے گروہ، عمرو بن العاص اور اس کے گروہ، ابوالاعور السلمی اور عبد اللہ بن قیس اور اس کے گروہ کو پکڑ لے ان کو برباد کر دے۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیہ: ۲/۳۱۷)

معلوم ہوا کہ حشیم کی روایت ان کے استاذ حصین کے دو شاگردوں (شعبہ اور شریک) کے خلاف ہے۔

بلکہ ان کے استاذ حصین بن عبد الرحمن السلمی کے دو متابع شیخ عبد الرحمن بن معقل کے دو شاگردوں (سلمہ بن کھیل اور ابو الحسن عبید بن الحسن) کی روایات کے بھی خلاف ہے۔

مزید یہ کہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا جو پہلا طریق عبد اللہ بن معقل کا ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

لہذا اس قدر مخالفتوں کے بعد تبنا اس سند کی وجہ سے اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے راجح بات ان شاء اللہ یہی ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی جس روایت میں معاویہ رضی اللہ عنہ و غیرہ کے نام کی صراحت ہے وہ شاذ یعنی ضعیف ہے۔

اور محفوظ روایت صرف اتنی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قنوت میں کچھ لوگوں پر بد دعا کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ کون تھے یہ صحیح و محفوظ روایت سے ثابت نہیں ہے۔

و سلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا ان کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک بھائی تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ کو چلا رہا تھا اور دوسرا ہانک رہا تھا۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو سواری اور سوار پر نیز چلانے والے اور ہانکنے والے پر۔ (انسحاب الاشراف لابن لاری، ج ۱، ص ۱۳۶، رجالہ ثقافت)

ملاحظہ فرمائیے اس کے ساری راوی ثقہ ہیں۔ لیکن اصل مدعا پر آنے سے قبل مناسب ہے کہ ایک بے جان شبہ کا ازالہ کر دیا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ایک صاحب نے رقم الحروف کے مضمون ”حدیث خلافت تیس سال، ایک تحقیقی جائزہ“ پر اعتراض کے ضمن میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ امام بلاذری کا اسناد خلف کون ہے یہ پتہ نہیں۔

حالانکہ امام بلاذری کے اسناد میں صرف ایک ہی خلف کا نام ملتا ہے۔

اور امام بلاذری نے اپنی اس کتاب میں پچاس (۵۰) مقامات پر اپنے اس شیخ کا نام مع والد (خلف بن ہشام) لکھا ہے۔

اور تیس (۳۳) مقامات پر لقب (الہزار) کے ساتھ (خلف بن ہشام الہزار) لکھا ہے۔

پھر بھی کوئی کہے کہ خلف کا تاج پتہ نہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ موصوف نے کہا کہ خلف کا تذکرہ عبد الوارث کے تلامذہ میں نہیں ملتا، اور عبد الوارث کا تذکرہ خلف کے اساتذہ میں نہیں ملتا۔ اس بنا پر موصوف نے خلف کو غیر معلوم کہنے کی کوشش کی۔

عرض ہے کہ کیا اسی منطق سے عبد الوارث بن سعید کو بھی غیر معلوم کہہ دیا جائے؟ یہی کہتے ہوئے کہ عبد الوارث کے تلامذہ میں خلف کا ذکر نہیں ملتا اور خلف کے اساتذہ میں عبد الوارث کا ذکر نہیں ملتا؟؟

یہاں پر یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ یہاں اختلاف کی نوعیت اختصار و اجمال کی نہیں بلکہ شد و دقت کی ہے۔ اختصار و اجمال کی بات متن کے ثابت ہونے کے بعد کی جاتی ہے، لیکن جب روایت کے تمام طرق و اسانید کے درمیان سے کوئی خاص متن شد و دقت و فقرہ کے دائرہ میں آجائے تو وہ اپنے اندر اجمال یا تفصیل کچھ بھی رکھے بہر صورت شد و دقت کے سبب وہ غیر ثابت شدہ قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے مخالف صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا گروہ ہی نہیں تھا بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے اور بھی مخالفین تھے جن سے علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی بھی ہوئی اس لئے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ بدو عائد ان لوگوں کے لئے کی گئی ہو۔

بہر حال ہم بغیر کسی پختہ ثبوت کے یہ نہیں مان سکتے کہ علی رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر بدعا کرتے تھے۔

ایک مثال

اگر ثقہ رواۃ کی سند سے کسی روایت میں یہ آگیا کہ علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعا کرتے تھے تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔

کیونکہ ثقہ رواۃ ہی کی سند سے ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں یہ آگیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بلکہ ان کے والد اور ان کے بھائی پر بھی لعنت کی ملاحظہ ہو:

امام احمد بن یحییٰ، البلاذری، (التوفی: ۲۷۹) نے کہا:

خَدَفْنَا خَلْفًا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمَيْهَانَ عَنْ سَفِيْنَةَ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَمَرَّ أَبُو سَفِيْنَانَ عَلَى نَعِيرٍ وَمَعَهُ مُعَاوِيَةُ وَأَخُوهُ، أَخَذَهُمَا يَقُوذُ النَّعِيرِ وَالْآخَرُ يَسُوْقُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعْنُ اللَّهُ الْخَوَابِلَ وَالْمُخْمُولَ وَالْقَائِدَ وَالْمُسَائِقَ.

سفید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

ذکرہ الشیخ، ولا العروۃ إلا قلیلاً بحسب النشاط وعلمہ، لنلا یعتقد معتقد أن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ استوفی فی جمیع ذلک، ویعلم أن الإحاطۃ متعذرة ولا سبیل إلہا۔

اس کتاب (اکمال تہذیب الکمال) میں میری شرط یہ ہے کہ میں کسی راوی کے تمام اساتذہ و تلامذہ کا استیعاب نہیں کروں گا اور نہ شیخ مزی کی ذکر کردہ فہرست پر اضافہ کروں گا البتہ بسا اوقات حسب ناطق بعض کا ذکر کروں گا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ شیخ مزی رحمہ اللہ نے تمام اساتذہ و تلامذہ کا استیعاب کر لیا ہے اور یہ جان لے کہ یہ استیعاب محال و ناممکن ہے اسے انجام دینے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (اکمال تہذیب الکمال، ص ۵۰۱)

معلوم ہوا کہ کسی بھی محدث نے کسی راوی کے تلامذہ یا اساتذہ کے ذکر کرنے میں استیعاب کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز کسی نے جو مختصر فہرست پیش بھی کی تو مشہور مصنفات حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کی ہے نہ کہ اس کے لئے کتب انساب اور کتب تاریخ کو بھی کھنگال ڈالا ہے۔

اس لئے کتب انساب وغیرہ میں تلامذہ و اساتذہ کے ایسے رشتہ بھی سامنے آ سکتے ہیں جن کا تذکرہ کسی محدث نے نہیں کیا بلکہ کتب حدیث میں بھی ایسے رشتے سامنے آتے رہتے ہیں اور کوئی بھی صاحب علم ان رشتوں کا انکار نہیں کرتا۔ قدر۔

اور موصوف معترض نے ایک بات تو بالکل متعصب تقلید یوں جیسی کہہ ڈالی اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ لکھا کہ: "اسی کے طبقے میں ایک خلف اور ہے اور وہ خلف بن خلیفہ بن صاعد بن ہرام الاشجعی ہے جس کو آخری عمر میں تغیر ہو گیا تھا۔" (محدث فقور، موضوع حدیث خلافت تیسرے سال)

عرض ہے کہ اس پر مجھے تقلید یوں کا وہ اعتراض یاد آ گیا جو وہ مسند احمد میں موجود سینے پر ہاتھ باندھنے والی سند پر کرتے ہیں چنانچہ اس سند میں امام احمد کے اساتذہ اور سفیان ثوری کے شاگرد کی جگہ سہمی بن سعید کا ذکر ہے۔ اس پر تقلیدی کہتے ہیں کہ اس طبقہ میں چار سہمی بن سعید ہیں بعض ضعیف ہیں۔ اس لئے کیسے

اگر کہا جائے کہ عبدالوارث کے اساتذہ جو سعید ہیں ان سے عبدالوارث کا تعین ہو جاتا ہے کیونکہ سعید کے تلامذہ میں عبدالوارث کا ذکر ملتا ہے تو تھیک اسی طرح خلف کے جو شاگرد امام بلاذری ہیں ان سے بھی خلف کا تعین ہو جاتا ہے کیونکہ امام بلاذری کے اساتذہ میں خلف بن ہشام کا تذکرہ ملتا ہے دیکھئے: (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳، ص ۱۶۲)

لہذا جب خلف کے شاگرد سے خلف کا تعین ہو گیا اور عبدالوارث کے اساتذہ سے عبدالوارث کا تعین ہو گیا۔ اور ان دونوں کے بیچ بیحد قریب ہے جو خود ان دونوں کے بیچ شاگرد و اساتذہ کے رشتہ کی صریح دلیل ہے تو اب الگ سے ان کے بیچ اس رشتہ کے کہیں اور تذکرہ کی تلاش کی ضرورت کیوں پڑی؟

اگر ان دونوں کے بیچ عن کا بیغہ ہوتا تو ایک شبہ ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کی آپس میں ملاقات ہے یا نہیں اور یہ شبہ بھی معاشرت کے ثبوت کے بعد زائل ہو جاتا لیکن جب اس سند میں واضح طور دونوں کے بیچ سماع کی صراحت موجود ہے تو اب مزید قیل و قال کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اور اتم تو یہ ہے کہ آنکھوں کے سامنے سند کے اندر ہی یہ رشتہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ حضرت الگ سے قیل و قال تلاش کر رہے ہیں حالانکہ یہ قیل و قال اس طرح کی دلیل دیکھ کر ہی صادر ہوتے ہیں تو جب سامنے صریح دلیل موجود ہے تو صریح دلیل کے ہوتے ہوئے اس کے مطابق کسی فتویٰ کی تلاش کیوں؟

یہ تو ایسے ہی ہوا کہ کوئی صحیح اور صریح حدیث مل جائے تو یہ کہا جائے کہ اس کے مطابق کسی نے فتویٰ نہیں دیا اس لئے اس صریح دلیل کو نہیں مانا جائے گا۔ اس بات قدر سے تفصیل ہماری کتاب انوار الہدے کے اخیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علاوہ بریں یہ بات بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ اساتذہ اور تلامذہ کے رشتوں کے بیان کرنے میں کسی نے استیعاب کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ کسی نے استیعاب کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔ اور یہ ممکن بھی نہیں ہے حافظ مغلطی (المتوفی ۱۲۳۷ھ) کی بات واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وان لا أستوعب شیوخ الرجال وزبادة علی ما

معلوم ہوگا کہ یہاں کون ہے؟

اب بتلائے کہ اس طبقہ میں چار تہی بن سعید ہونے کا یہ مطلب کیسے ہوگا کہ یہ چاروں امام احمد کے استاذ بھی ہو سکتے ہیں؟ کیا امام احمد کی سندوں میں بھی ان کے اساتذہ کی جگہ پر ان چاروں کا نام آیا ہے؟ یا کتب رجال میں ان چاروں کو امام احمد کے اساتذہ میں گننا یا گیا ہے؟ اگر نہیں تو ظاہر ہے کہ یہاں وہی تہی ہیں جو امام احمد کے استاذ ہیں۔ تفصیل میری کتاب انوار المہدر میں ہے۔

ٹھیک اسی طرح یہاں بھی اس طبقہ میں بھی ایک اور خلف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خلف امام بلاذری کا استاذ بھی ہوگا۔ اس لئے یہاں وہی خلف مراد ہوگا جو امام بلاذری کا استاذ ہے۔ اور امام بلاذری کے اساتذہ میں صرف ایک ہی خلف کا ذکر ان کی کتاب میں ملتا ہے اور کتب رجال میں بھی ان کے اساتذہ میں صرف ایک ہی خلف کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں خلف بن ہشامؒ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۶۲) اور سابقہ ۱۳ (۱۶۲) عودالی المقصود:

بہر حال ماقبل میں بلاذری کی جو روایت پیش کی گئی ہے اس کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔ لیکن بعض حضرات ثقہ رواۃ والی اس روایت میں امیر معاویہ اور ان کے والد کے نام کے ذکر کو صحیح نہیں مانتے اس کی وجہ یہ بتلاتے کہ امام بزار نے اسی روایت کو بیان کیا تو ان کی روایت میں یہ نام نہیں ہیں چنانچہ:

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حَدَّثَنَا السَّكْنُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، وَحَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَمْهَانَ، عَنْ سَفِينَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ الشَّيْخَ صَلَاحِي اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَانُ جَابِلًا فَمَرَّ رَجُلٌ عَلَى بَعِيرٍ وَيَمْنُ يَدَيْهِ قَائِدٌ وَخَلْفَهُ سَائِقٌ، فَقَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْقَائِدَ وَالسَّائِقَ وَالرَّاجِبَ.

سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ پر ایک شخص کا گذر ہوا اس

کے سامنے اونٹ چلانے والے تھا اور پیچھے اونٹ ہانکنے والا، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ہانکنے والے پر، چلانے والے پر اور رسوا پر۔ (مجموع البزار: ۲۸۶)

حالانکہ اس روایت میں امام بزار کے شیخ "السکن بن سعید" غیر معروف ہیں کسی نے بھی ان کو ثقہ نہیں کہا ہے۔

امام بیہقی نے یہ روایت نقل کر کے یہ ضرور کہا ہے کہ ذوالہ البزار، ورجالہ ثقاتہ۔ (مجموع الزوائد وصنیع النفاۃ: ۱۱۳)

لیکن خود امام بیہقی نے ہی دوسری جگہ کہہ دیا:

"وشيخ البزار السکن بن سعید ولم أعرفه."

بزار کے شیخ السکن بن سعید کو میں نہیں پہچان سکا۔ (مجموع الزوائد للبیہقی: ۱۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ السکن بن سعید امام بیہقی کی نزدیکی بھی غیر معروف ہے۔ اور اجتماع ثوثین میں ان سے وہم ہوا۔ یعنی بزار والی یہ روایت سداضعیف ہی ہے۔

اب غور کریں کہ جب ضعیف سند والی روایت میں نام ذکر نہ ہونے سے بعض لوگ ثقہ رواۃ والی سند میں نام کے ذکر کئے جانے کو غلط سمجھتے ہیں۔

تو پھر مصنف ابن ابی شیبہ کی ثقہ رواۃ والی سند میں امیر معاویہ کے نام کے نہ کرے کو غلط کیوں نہ کہا جائے جبکہ اس کے برخلاف کئی ثقہ والی روایت میں امیر معاویہ کے نام کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں تو نام کا تذکرہ نہ کرنے والے متفقین احمد حدیث میں سے ہیں۔

واضح رہے کہ بزار والی روایت سداضعیف ہونے کے باوجود بھی ہمارے نزدیک بلاذری کی ثقہ رواۃ والی روایت دیگر علل کے سبب ثابت نہیں ہے اس کی تفصیل راقم الحروف نے اپنے مضمون "حدیث خلافت تین سال، ایک تحقیقی جائزہ میں" پیش کر دی ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت امیر معاویہ کے ذکر کے ساتھ شاذ یعنی ضعیف ہے۔

وَسَلَّمَ وَكُفَعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى الْعِدَّةَ... قَالَ: فَيَجْعَلُ يَغْضَا
بِيَهْمَسٍ إِلَى بَعْضِ مَا كُفِّرَ عَنْهُمَا غَضًّا يَنْظُرُ بِطَرَفَيْهِ صَلَاتَنَا ۖ ثُمَّ
قَالَ: أَمَّا لَكُمْ فِي أَسْفَلِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا أَنَا لَيْسَ فِيَّ التَّوْبُ تَطْرِبُ
إِنَّمَا التَّطْرِبُ عَلَى مَنْ لَمْ يَهْضِلْ الصَّلَاةَ حَتَّى يَبْجِيَ وَفَتْ
الصَّلَاةَ الْآخَرَى، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَلْيَضْلِبْهَا حِينَ يَنْتَبِهَ لَهَا،
فَإِذَا كَانَ الْعَدْلُ فَلْيَضْلِبْهَا عِنْدَ وَفْيِهَا" (صحیح مسلم: ۹۸۱)
”پھر بال رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کی اذان دی اور رسول اللہ
ﷺ نے دو رکعتیں ادا کیں، پھر نماز فجر پڑھائی۔۔۔ سیدنا ابو
قحادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں سے کچھ لوگ ایک
دوسرے سے کھسر پھسر کرنے لگے کہ ہم نے نماز میں جو کوتاہی کی

ہے اس کا کفارہ کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا
تمہارے لئے میرے عمل میں سموت نہیں ہے؟ پھر آپ
نے فرمایا: سنو! سو جانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہے کوتاہی اس کی
ہے جس نے (جاگنے کے باوجود) دوسری نماز کا وقت آ جانے تک
نماز میں پڑھی، پس جو شخص اس طرح سویا رہ جائے تو جب اس
کے لئے جاگے اسی وقت اسے ادا کر لے۔ پھر جب دوسرا دن
آئے تو اسے وقت پر ادا کرے۔“

اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ”وَأَذَّنَ بِأَنَّ فَضْلًا وَكُفَعِي
الْقُفْعِي، ثُمَّ صَلَّوْا الْقُفْعَ وَزَكَّيَا“ (بتحقیق الارنؤو و
رفقاہ: ۳۲۸/۲، ج ۳: ۳۴۷، وصحہ الاتبائی۔ والارنؤو و
بال رضی اللہ عنہ نے اذان کی، سب نے سنت فجر پڑھی، پھر نماز
فجر ادا کی اور سوار ہو گئے۔“

✽ امام نووی رحمہ اللہ (التوفی: ۶۷۶ھ) اس حدیث کے
تحت فرماتے ہیں: ”وفیه قضاء الشئۃ الزانیۃ لِأَنَّ الطَّاهِرَ أُنْ
هَاتِنِ الزَّكَّيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ الْعِدَّةِ هُمَا سَنَةُ الضَّحِیحِ“۔
(المہاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج
للسوی: ۱۸۱/۵، الناشر: دار احیاء التراث العربی۔
بیروت) ”اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ سن
راتبہ (یعنی سنت مویکوء) کی قضاء درست ہے اس وجہ سے کہ
ظاہر یہ ہے کہ جن دو رکعتوں کو آپ ﷺ نے نماز فجر سے پہلے
اداکر تھا وہ سنت فجر تھیں۔“

✽ صاحب عون الممبوعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وفیه ای:
فَضَّلُوا وَكُفَعِي الْقُفْعَ ثُمَّ صَلَّوْا الْقُفْعَ“ قَضَاءُ الشَّئَةِ

نے فرمایا: ”مَنْ لَمْ يَهْضِلْ زَكَّيْنِ الْقُفْعِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ،
فَلْيَضْلِبْهُمَا“۔ (المستدرک علی الصحیحین بتحقیق
مصطفیٰ عبد القادر عطا: ۳۰۸/۱، ج ۱: ۱۰۱۵، واللفظ لہ
وسنت الترمذی بتحقیق احمد شاکر
۲۸۴۶۲، ج ۲: ۲۲۳، وصحیح ابن حبان بتحقیق
الارنؤو و: ۲۲۳/۲، ج ۲: ۲۲۴، وصحیح ابن خزیمہ
بتحقیق الاعظمی: ۱۶۵/۲، ج ۱: ۱۱۱، وصحہ الحاکم
والذہبی وابن حبان وابن خزیمہ والاتبائی و
الارنؤو و) ”جو شخص فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھے جسے حتی کہ سورج طلوع
ہو جائے تو چاہے کہ وہ ان کو (اب سورج طلوع ہونے کے بعد)
پڑھے۔“

(۸) اگر کسی شخص پر نیند غالب آجائے
اور سورج طلوع ہونے کے بعد بیدار ہو۔۔۔۔۔
تو ایسے شخص کو چاہئے کہ پہلے سنت فجر پڑھے، پھر نماز فجر ادا
کرے۔

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول
اللہ ﷺ کی معیت میں، رات کے آخری حصے میں، آرام کے
لئے پڑاؤ ڈالا۔ پھر ہم سورج طلوع ہونے کے بعد ہی بیدار
ہوے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر شخص اپنی سواری کی
لگام پکڑ لے (اور یہاں سے چل دے) کیونکہ اس جگہ شیطان
تمہارے پاس آ گیا ہے۔ چنانچہ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ (کچھ آگے
جا کر) آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ ”ثُمَّ صَلَّى سِتْرَ خِلْتَيْنِ
حِينَ أَقْبَمَتِ الضَّلَافُ وَصَلَّى الْعِدَّةَ“۔ (صحیح ابن
خزیمہ بتحقیق الاعظمی: ۱۶۵/۲، ج ۱: ۱۱۸، واللفظ
لہ، وصحیح مسلم: ۶۸۰) ”پھر اذان کے بعد دو
رکعت (سنت) ادا کی اور نماز فجر پڑھائی۔“

✽ اس حدیث پر امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (التوفی: ۳۱۱ھ)
نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”بَابُ قَضَاءِ زَكَّيْنِ الْقُفْعِ
بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ إِذَا نَامَ الْفَرَسُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَسْتَقِطْ إِلَّا
بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ“ ”طلوع شمس کے بعد سنت فجر کی قضا کا
باب، جب انسان اسے ادا کرنے سے سویا رہ جائے اور طلوع
شمس کے بعد بیدار ہو۔“

(۲) سیدنا ابو قحادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:
”ثُمَّ أَذَّنَ بِأَنَّ فَضْلًا وَكُفَعِي الْقُفْعَ وَزَكَّيَا“

باپ کی عظمت کے ایک اہم واقعہ کی حقیقت

اکبر علی سلفی

ہیں۔ وہ مخلص صحابی تھے، یہ سن کر وہ رونے لگے کہ جو اشعار ابھی میری زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے، میرے اپنے کانوں نے بھی نہیں سنے آپ کے رب وہ بھی سن لیے اور آپ کو بتا بھی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا اشعار تھے ہمیں سنائیں۔ ان صحابی نے اشعار پڑھنا شروع کیے:

(آپ کو ان کا آسان ترجمہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ جو اشعار تھے اور جس اہل پائے کے تھے اور جو جذبات کی کیفیت تھی، ان کی صحیح ترجمانی اردو میں مشکل ہے بہر حال اشعار کچھ اس طرح سے تھے کہ)

اے میرے بیٹے!

جس دن تو پیدا ہوا، ہماری محنت کے دن بھی سے شروع ہو گئے تھے۔

تو رہتا تھا، ہم سو نہیں سکتے تھے۔

تو نہیں کھا تا تو ہم کھا نہیں سکتے تھے۔

تو بیمار ہو جاتا تو تجھے لئے لئے بھی کسی طبیب کے پاس علاج معالجہ کے لیے مارے مارے پھرتے تھے کہ کہیں تجھے کچھ ہو نہ جائے، کہیں مرتنہ جائے حالانکہ موت الگ چیز ہے اور بیماری الگ چیز ہے۔

پھر تجھے گرمی سے بچانے کے لئے میں دن رات کام کرتا رہا کہ میرے سینے کو ٹھنڈی چھواؤں میں جائے۔

ٹھنڈے سے بچانے کے لئے میں نے پتھر توڑے، تقاریا اٹھائیں کہ میرے بچے کو گرمی مل جائے۔

جو کما یا تیرے لئے، جو بچایا تیرے لئے۔

تیری جوانی کے خواب دیکھنے کے لئے میں نے دن رات اتنی محنت کی کہ اب میری بڈیاں کڑو ہو گئی ہیں لیکن تو کڑیل جوان ہو گیا ہے۔

پھر مجھ پر خزاں نے ڈیرے ڈال لیے لیکن تجھ پر بہار آگئی۔

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبی بعده، اما بعد:

محترم قارئین! اسامی شریعت میں باپ کی عظمت مسلم ہے، کئی احادیث سے باپ کی عظمت واضح ہوئی ہے، انہیں میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الوالد أوسط أبواب الجنة“ (سنن الترمذی بتحقیق بشار عواذ: ۳/۴۵۳، ج: ۱۰۰۱، وقال المؤلف: هذا حديث صحيح وصححه الألبانی والارنوؤ) ”باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔“

لیکن واپس وغیرہ پر باپ کی عظمت سے متعلق ایک واقعہ بڑے زور و شور سے سننا کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے:

باپ کی عظمت کا ایک اہم واقعہ

(ماں باپ کی ناقدری کرنے والے ذرا اس حدیث کے واقعہ کو حرف پڑھئے اور اپنی دنیاؤ آخرت درست کر لیجئے)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے باپ کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ مجھ سے پوچھتا نہیں اور میرا مال خرچ کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے والد محترم کو بلوایا۔ جب ان کے والد کو پتا چلا کہ میرے بیٹے نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی ہے تو دل میں رنجیدہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلے، چونکہ عرب کی گھٹی میں شاعری تھی تو راستے میں کچھ اشعار ذہن میں کہتے ہوئے پہنچے۔ اور بارگاہ رسالت میں پہنچنے سے پہلے جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا معاملہ بعد میں سنئے گا، پہلے وہ اشعار سنیں جو وہ سوچتے ہوئے آرہے ہیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا مسئلہ بعد میں سنا جائے گا پہلے وہ اشعار سنائیے جو آپ سوچتے ہوئے آئے

میں جھک گیا تو سیدھا ہو گیا۔

اب میری خواہش اور امید پوری ہو گئی کہ اب تو ہر ابھرا ہو گیا ہے۔

چل اب زندگی کی آخری سانسیں تیری چھاؤں میں بیچ کر گزاریں گا۔

مگر یہ کیا کہ جوانی آتے ہی تیرے تیرے بدل گئے۔

تیری آنکھیں ماتھے پر چڑھ گئیں۔ تو ایسے بات کرتا ہے کہ جیسے میرا سینا پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔

تو ایسے بات کرتا ہے کہ کوئی غلام سے بھی دینا نہیں کرتا۔

پھر میں نے اپنی ساری زندگی کی محنت کو جھٹکا دیا کہ میں تیرا باپ نہیں ہو کر ہوں، ہو کر کو بھی کوئی ایک وقت کی روٹی دے ہی دیتا ہے، تو نوکر کچھ کر ہی مجھے روٹی دے دیا کر۔

یہ اشعار سناتے سناتے ان کی نظر اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو دیکھا کہ آپ ﷺ اتار دے کہ آپ کی وارسی مبارک تر ہو گئی۔ آپ ﷺ جلال میں اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹے کا گریہاں پلا کر فرمایا کہ: "انت و مالک لایبیک"۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

(رواہ الضحیٰ و التبیانی ذیل تفسیر: تفسیر قرطبی)
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو ہم سب مسلمانوں کو اپنے اپنے والدین کی خدمت کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرما آمین۔ (ذہاب رحمہما کما ربانی صغیرا)

مقتول مع تعدیل مطبع الرحمن فضل الرحمن السلفی، کویت۔

راقم باادب تمام لوگوں سے گزارش کرتا ہے کہ اس واقعہ کی تشہیر نہ کی جائے، اسے نہ پھیلا یا جائے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے اور اگر کسی نے اسے پھیلا دیا ہے تو اس سے گزارش ہے کہ جہاں جہاں آپ نے مذکورہ واقعہ کو سن لیا ہے وہاں وہاں راقم کے اس مضمون کو بھی سن کر دیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

اب مذکورہ واقعہ کی حقیقت ملا حنفیہ فرماتے ہیں:

❦ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الشافعی الطبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ بْنُ يَزِيدَ الْبَزْزِيُّ دَعَانِي بِمَضْرُوءٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ غَيْبِيذٌ خَلَصَهُ بِمَضْرُوءٍ الْغَنَمَانِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ الْمَدَنِيُّ، عَنْ الْمُشَكِّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُشَكِّدِ، عَنْ

أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ أُمِّي أَخَذَتْ عَلَيَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ: اذْهَبْ فَأَتِنِي بِأَبْنِكَ، فَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِذَا جَاءَكَ الشَّيْخُ فَسَلِّ عَنْ شَيْءٍ، قَالَ فِي نَفْسِهِ مَا سَمِعْتَهُ أَذْنًا، فَلَمَّا جَاءَ الشَّيْخُ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَا يَأْتِيكَ ابْنُكَ يَشْكُوكَ، أَمْ يَأْتِيكَ خَالَةً؟ قَالَ: سَلِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلْ تَنْفَعُنِي إِلَّا عَلَى عَمَّالِهِ أَوْ خَلَاتِهِ أَوْ عَلَى نَفْسِي؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِيه، ذَعْنَا مِنْ هَذَا، أَنْخِرْنَا عَنْ شَيْءٍ، فَلَمَّا فِي نَفْسِكَ مَا سَمِعْتَهُ أَذْنًا، فَقَالَ الشَّيْخُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا يَزِيدُكَ اللَّهُ يَزِيدُكَ نَفْسًا، لَقَدْ قُلْتُ فِي نَفْسِي شَيْئًا مَا سَمِعْتَهُ أَذْنًا، فَقَالَ: قُلْ، وَأَنَا أَسْمَعُ، قَالَ: قُلْتُ:

(البحر الطويل)

عَذْرُكَ مَوْ لَوْ ذَا وَ مَنَافِكَ يَا فَعَا...

فَعَلَّ بِمَا أَجْنَى عَلَيْكَ وَ تَنَهَّلْ

إِذَا الْبَلَّةُ خَافَتْكَ بِالْشَقَمِ لَمْ يَأْتِ...

لِنَفْسِكَ إِلَّا سَاهِرَ الْقَمَلِ

كَأَنِّي أَنَا الْمُنْطَرِقُ فِي ذَوْكَ بِالذِّي...

مَوْ قَتَّ بِهِ ذَوْبِي فَعَيْنَايَ تَهْمَلُ

تَخَافُ الزَّادِي نَفْسِي عَلَيْكَ وَ إِنَّمَا...

لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ وَ قَتَّ مَوْ رَجُلْ

فَلَمَّا بَلَغْتَ الْبَيْتَ وَ الْعَايَةَ أُمِّي...

إِلَيْهَا مَدَى مَا فَيْكَ كُنْتُ أَوْ مِلْ

جَعَلْتُ جَزْأِي غَلْظَةً وَ فُظْظَةً...

كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعَمُ الْمُنْقَضِلُ

فَلَيْسَكَ إِذْ لَمْ تَرَ غُ حَقَّ أُنُوبِي...

فَعَلْتُ كَمَا الْبَحَارُ الْمَجَاوِرُ يَفْعَلُ

فَرَأَيْتَهُ إِذَا الْبَحَارُ لَا يَفْعَلُ...

بَزْوَ عَلَى أَهْلِ الصَّوَابِ مَوْ كَلْ (هذه القطعة ليست في

دلائل النبوة المعجم الاوسط)

قال: فحينئذ أخذ النبي صلى الله عليه وآله وسلم بنفسي وبيته وقال: أَلَا وَ مَا لَكَ لَا تَأْتِيكَ؟

(وفي دلائل النبوة: فبكى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم)

(۵) اور جب تو بلوغت کو پہنچا اور اس انتہا کو پہنچا جس کی میں تیرے سلسلے میں امید رکھتا تھا۔

(۶) تو تو نے مجھے اس کے بدلے میں سخت دلی اور ترش روئی سے ہنسنا کر کیا گو یا کہ تو ہی (مجھ پر) انعام کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

(۷) جب تو نے ابو ثب کے حق کی رعایت نہیں کی تو کاش کہ تم (میرے ساتھ) ویسا سلوک کرتے جیسا کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوس میں رہنے والے کے ساتھ کرتا ہے۔

(۸) آپ اس کو کھالفت کے لئے تیار پاؤ گے گو یا کہ وہ درست کام کرنے والوں کا رو کرنے کے لئے ہی مقرر کیا گیا ہے۔ (یہ ٹکڑا دلائل اللہ و صحتی اور اجماع الکلیہ للطبرانی میں نہیں ہے)۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ان کے بیٹے کے گریبان کو پکڑ کر فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے۔

(اور دلائل اللہ و میں ہے کہ نبی کریم ﷺ رو پڑے اور ان کے بیٹے کے گریبان کو۔۔۔)

(امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں): یہ پوری حدیث اور شعر محمد بن اسمکہ سے صرف اسی سند کے ساتھ روایت کی جاتی ہے، اس حدیث کو عبید بن خصصہ بیان کرنے میں منکر رہے۔

(تخریج): (المعجم الصغير بتحقيق محمد شكور: ۱۵۲/۲، ج: ۹۳۷، والفظا نه و المعجم الاوسط للطبرانی بتحقيق طارق و عبد المحسن: ۳۹۶/۱، ج: ۲۵۷، ودلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة للهيقي: ۳۰۳/۲، الدناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، وتفسير القرطبي) (الجامع لأحكام الفوائد) بتحقيق أحمد البردولي وإبراهيم أطفيش: ۲۵۶/۱، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحقيق حسام الدين القدسي: ۱۵۵/۳، ج: ۱۷۷، ومجمع البحرين في زوائد المعجمين بتحقيق عبد القدوس: ۲۱۸/۳، ج: ۲۱۹۷)۔

(حكم حديث): هذا حديث صحيح دون القصة و

الشعر وهما منكر واستاده ضعيف بمرارة

✽ امام ابو الحسن نور الدين علي البكشي رحمہ اللہ (المتوفى: ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں: ”والحديث بهذا الضمام منكر“۔ (مجمع الزوائد)

(منكر هو في وجه): روایت ہذا میں تین علتیں

ہیں:

(۱) ضعف حدیث بن خالد بن یزید النزدیعی: اس کی بابت جرح

و سلم، و أخذ بغلب۔۔۔)

(قال الطبرانی رحمه الله): ”لا يروى هذا الحديث عن شخص من المنكرين إلا بهذا الضمام و البغض إلا بهذا“۔ (تقرؤ ذہبی عن غلصہ)۔

(ترجمہ): سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد نے میرا مال لے لیا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا: جاؤ اور اپنے والد کو میرے پاس لے آؤ، پھر جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ جب شیخ (یعنی ان کے والد) آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے اس چیز کے بارے میں پوچھئے جو انہوں نے اپنے دل میں کہی ہے جن کو ان کے کانوں کا توں نہیں سنا۔ جب شیخ آپ کے خدمت میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: آپ کے بیٹے کا کیا معاملہ ہے کہ وہ آپ کی شکایت کرتا ہے، کیا آپ اس کا مال لیتا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس سے پوچھئے کہ کیا (یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں نے اس کا مال اس کی چھو جھپوں یا خالوں یا اپنے نفس پر ہی خرچ کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مہر جائے۔ (فی الحال) اس بات کو چھوڑے اور مجھے اس چیز کے بارے میں بتائے جو آپ نے اپنے دل میں کہی ہے جن کو آپ کے کانوں نے نہیں سنا۔ تو شیخ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، مسئلہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارے یقین کو بڑھاتا رہا ہے میں نے اپنے دل میں کچھ کہا جن کو میرے کانوں نے نہیں سنا۔ تب آپ نے کہا: آپ کیسے میں سنا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں نے (اپنے دل میں یہ بات) کہی کہ:

(۱) میں نے بچپن میں تیری پرورش کی اور جوانی میں بھی تیرا نقشہ برداشت کیا، میری کمائی کے ذریعہ تو بچپن میں سیراب ہوا اور جوانی میں بھی سیراب ہوا۔

(۲) جب کسی رات تو بیمار ہو جاتا تو میں تیرے بیمار ہونے کی وجہ سے نہیں سوتا تھا، بیدار ہوتا اور بے قرار رہتا تھا۔

(۳) گو یا کہ میں ہی اس بیماری میں مبتلا ہوں تو نہیں، جو مجھے چھوڑ کر تیرے پاس آگئی ہے۔ اسی لئے میری آنکھیں برس رہی ہیں۔

(۴) میں ڈرتا تھا کہ کہیں تو ہلاک نہ ہو جائے جبکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

لیس بقوی۔“ (التجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۲۶۹/۱: ۱۹۶۵)

(۵) امام ابو حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۷ھ): ”کان رجلاً صالحاً لا یقیم الحدیث، کان کثیر الخطأ، لم یکن بالحافظ لحدیث أبیه۔“ (التجرح والتعديل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۲۶۸/۲: ۱۹۶۵)

(۶) امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۳ھ): ”وکان من یحیار عباد اللہ یمن الشغل بالشغل، فقطعه العبادة عن مراعاة الحفظ والتعاهد فی الإتيان فكان يأتي بالشيء الذي لا أصل له عن أبيه توهماً فلما ظهر ذلك في روايته بطل الاختصاص بأخيه۔“ (المجروحون من المحدثين والضعفاء والمتروكين بتحقیق محمود ابراهيم: ۲۲۳/۳: ۱۰۶۲)

(۷) امام ابو حاتم محمد بن احمد بن عثمان، المعروف بابن شاذان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ): ”ليس بشيء۔“ قال ابن معين۔“ (تاريخ أسماء الضعفاء والكذابين بتحقیق عبد الرحيم الشافعي: ص: ۱۷۶: ۱۸۱)

(۸) امام ابو اسحق نور الدين علي بن ابوبكر البستي رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ): ”ضعيف۔“ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحقیق حسام الدين القدسي: ۱۵۵/۳: ج: ۲۷۷)

(۹) امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ): ”لين الحديث۔“ (تريب التهذيب بتحقیق محمد عوامة: ص: ۵۳۷: ۱۹۱۲)

درج ذیل احمد کرام نے اسے ”ليس بالقوي“ کہا ہے:

(۱) امام علی بن عبد اللہ المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”هو عندنا صالح وليس بالقوي۔“ (سؤالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ لعلي بن النعماني بتحقیق موفق عبد الغفار: ص: ۲۷: ۱۷۸)

(۲) امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ): ”ليس بالقوي۔“ (الضعفاء والمتروكون بتحقیق محمود ابراهيم: ص: ۹۹: ۵۷۹)

(۳) امام ابو یعلیٰ خلکان بن عبد اللہ الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۶ھ): ”ليس في الحديث بذلك القوي، لم يرضوا حفظه۔“ (الارشاد فی معرفة علماء الحديث بتحقیق الدكتور محمد سعيد: ۳۱۰/۱)

ابو ربیع بات اصل حدیث کی تو وہ صحیح ہے جیسا کہ حضرت عمرو

وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص مل سکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

شیخ عبد القدوس بن محمد بن حنظلہ فرماتے ہیں: ”لم أجده“ (مجمع البحرين بتحقیق عبد القدوس: ۱۲۱/۳: ج: ۲۱۹۷)

اس کی متابعت ”أبو ذؤانبة أخذ بن الحکم المغافري“ نے کی ہے۔ دیکھیں: (لائل النبوة للبيهقي) لیکن اس کی بابت بھی جرح وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو پا سکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

(۲) أبو سلمة غنيد بن خلصة: اس کی بابت بھی جرح وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو پا سکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولم أجده من ترجمه۔“ (إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبيل: ۳۶۵/۳: بحث الحديث: ۸۳۸) ”میں ایسے شخص کو نہیں پا سکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔“

اور یہ روایت ہذا کو بیان کرنے میں متذرب ہے جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، میرے علم کی حد تک کسی نے بھی اس کی متابعت نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) المنذکون بن محمد بن المنذکون القیمی المذنی: مؤلف نیک انسان تھے لیکن بحال حدیث میں ضعیف راوی تھے، جمہور محدثین کرام نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ احمد کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) امام ابن محیین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”ليس بشيء۔“ (التجرح والتعديل بتحقیق المعلمی: ۲۶۸/۱: ۱۹۶۵) (روایۃ عثمان الدارمی) (تحقیق احمد محمد: ص: ۲۰۳: ۷۵۳)

(۲) امام ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹ھ): ”ضعيف الحديث۔“ (أحوال الرجال بتحقیق عبد العليم عبد العظيم البستوي: ص: ۲۶۲: ۲۳۳)

(۳) امام احمد بن عبد اللہ العللی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ): ”ضعيف۔“ (تاريخ الثقات بتحقیق عبد العليم البستوي: ۳۰۶/۲: ۱۷۹۹)

(۴) امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۶ھ):

ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں: (ابن عساکر: فی تخریج و تحقیق الأحادیث البیہی ذکرہا الحفاظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری: ۲/۱۰۹۶، ج: ۱، ص: ۷۵۱)

اب چند باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:

(۱) شیخ نبیل بن منصور الکلبی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت:

ولم ینفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال ثابعا عبد اللہ بن نافع الصائغ ثنی المتکدر بن محمد عن أبیه عن جابر أن رجلا قال: یا رسول اللہ إن لی مالا وعیالا، و ذکر الحدیث"۔ (ابن عساکر: ۲/۱۰۹۶، ج: ۱)

راقم ابواب عرض کرتا ہے کہ اگر یہ امام طبرانی رحمہ اللہ کے قول پر تھاقب ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عبید بن خلیصہ اس پورے واقعہ اور شعر کو بیان کرنے میں منفرد ہے، کسی نے بھی ان کی متابعت نہیں کی ہے۔ اور دوسری بات احمد بن سعید کی روایت کی تو اس میں وہ واقعہ اور شعر نہیں ہے جو عبید بن خلیصہ کی روایت میں ہے لہذا شیخ کا یہ کہنا کہ: "ولم ینفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال"۔ صحیح نہیں ہے اور اگر یہ تھاقب نہیں ہے بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصل حدیث کو بیان کرنے میں عبید منفرد نہیں ہے تب یہ کہنا کہ: "ولم ینفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال"۔ صحیح ہے۔

(۲) جس شخص نے حدیث کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے ترجمے میں کئی غلطیاں کی ہیں اور ان کی ایسے اضافے کیے ہیں جو کہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جن کا حوالہ انہوں نے مضمون کے آخر میں دیا تھا۔ میں نے حدیث کا متن پیش کر دیا ہے، آپ ان کے ترجمے کو اس سے ملائیں گے تو ان کی غلطیوں اور اضافوں کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۳) مضمون کے آخر میں لکھا ہوا ہے: "(رواہ الطبرانی و البیہقی دیکھئے: تفسیر قرطبی)" اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

راقم ابواب عرض کرتا ہے کہ مذکورہ طریقہ سے جب کسی حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المعجم الکبیر" میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں نقل کیا ہے۔ اور عبید بن خلیصہ کی روایت نہ تو امام الکبیر میں ہے، نہ ہی السنن الکبریٰ میں ہے لہذا عبید کی روایت کا حوالہ مذکورہ طریقہ سے دینا صحیح نہیں صحیح طریقہ یہ ہے: "رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر و البیہقی فی الدلائل"۔

بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: "أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي مَالًا وَوَلَدًا، وَإِنَّ وَالِدِي (يُرِيدُ أَنْ) يَخْضَعُ عَلَيَّ، قَالَ: أَنْتَ وَمَالُكَ لَوِ الْيَدُ، إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْلُبٍ كَسَبْتُمْ، فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ"۔ (سنن ابی داؤد بتحقيق الارنؤوط ورفقاه: ۵/۳۹۰، ج: ۳، ص: ۳۵۳، وقال المحقق: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن وهو كما قال واما الزيادة فتمسكت الامام احمد بن حنبل بتحقيق الارنؤوط ورفقاه: ۱/۲۱۱، ج: ۲، ص: ۶۷۸) "ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس مال ہے اور اولاد بھی ہیں اور میرے والد میرا سارا مال لینا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے، بے شک تمہاری اولاد میں تمہاری بہترین کمائی میں لہذا تم اپنی اولادوں کی کمائی سے کھا سکتے ہو۔"

اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

(۱) امام ابو حاتم رحمہ بن حبان البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۳ھ) مذکورہ حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ عَنْ مَعَانِيهِ أَبَاؤُهُمَا يَغَابِلُ بِهِ الْأَجَنِبِينَ، وَأَمْرٌ بِهِ وَالرَّقِيقُ بِهِ فِي الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ مَعًا يَأْتِي أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ مَالُهُ، فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبْنِكَ، لَا أَنْ مَالِ الْإِنِّ يَمْلِكُهُ الْآبُ فِي خِيَابِهِ عَنْ غَيْرِ طَلَبٍ لِنَفْسٍ مِنَ الْإِنِّ بِهِ"۔ (صحيح ابن حبان بتحقيق الارنؤوط: ۲/۱۴۳، ج: ۱، ص: ۵۶۱، و ۵۶۱، ص: ۳۲۶) "نبی کریم ﷺ نے اسل کے اس سلوک پر سرزنش کی جو اس نے اپنے والد کے ساتھ کیا تھا اور اس نے اپنے والد کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا جیسا کہ اجنبی لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور آپ نے اس کو بھلائی کرنے اور قول و فعل دونوں کے ذریعہ نرمی کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ اس کا مال اس کے والد کو بخش جائے اور فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا مالک ہے مگر یہ کہ بیٹا اپنی خوشی سے کسی چیز کا مالک بنادے۔"

تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: "أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبْنِكَ" کا معنی و مفہوم۔

(۲) مذکورہ روایت دس (۱۰) صحابہ کرام سے مروی

امن و سلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار

شہید احمد رضا عظیمی، الفوری، المدنی

حدیث نبوی: ایک تعارف:

لفظ ”حدیث“ کا عربی زبان میں وہی مفہوم ہے جو ہم اردو زبان میں بات چیت، گفتگو اور کلام سے مراد لیتے ہیں چونکہ نبی ﷺ گفتگو اور بات چیت کے ذریعہ پیام الہی کو لوگوں تک پہنچاتے اور اپنی تقریر و بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھلاتے تھے اسی طرح جو چیزیں آپ کے سامنے ہوئیں اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے یا خوشی کا اظہار فرماتے تو اسے بھی جزو دین سمجھا جاتا تھا کہ وہ چیز اگر نکلے دین کے مٹائی ہوتی تو آپ یقیناً ان کی اصلاح فرماتے یا منع کر دیتے اس طرح ان سب کے مجموعہ کا نام ”حدیث“ قرار پایا۔

آئیے ہم سطور ذیل میں حدیث نبوی کی مذکورہ تینوں قسموں کو مثال کے ساتھ درج فرماتے ہیں تاکہ دعویٰ دلیل کے ساتھ واضح ہو جائے۔

۱۔ حدیث قولی: یعنی رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی جیسا کہ (صحیح مسلم: کتاب الاثریۃ: باب آداب الطعام والنشراب: حدیث نمبر: ۵۴۵۹) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان الشیطان یستحل الطعام ان لایذکر اسمہ للہ علیہ“ ”کہ شیطان اس کھانے کو حلال سمجھ لیتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔“ یہ آپ ﷺ کا ایک قول ہے۔

۲۔ حدیث فعلی: یعنی رسول اللہ ﷺ کا کردار جو آپ نے عملی طور پر امت کے سامنے پیش کیا، جیسا کہ: (سنن ابوداؤد: کتاب الصلاۃ: باب توبۃ الصفوف: ۶۶۵) میں ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”کان رسول اللہ ﷺ یسوی صفوفنا اذا قمنا للصلاۃ فاذا اسوینا کبر۔“

”کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں درست کراتے جب ہم

تعمیم

ہذا حدیث نبوی: ایک تعارف

ہذا حدیث نبوی کی دینی حیثیت

☆ امن و سلامتی کی اہمیت

☆ امن و سلامتی کے دو مختلف پہلو

☆ انفرادی امن و سکون میں حدیث کا کردار

☆ اجتماعی و سماجی امن کے فروغ میں حدیث کا کردار

دین اسلام اللہ رب العالمین کا آخری اور مکمل دین ہے جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے ذریعہ نجات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (از

عمر امت: ۱۹)

”بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔“

نیز دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی واضح انداز میں

فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی

الْاٰخِرِ فَمَنْ الْخٰسِرِ﴾ (از عمر امت: ۱۵)

”جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ ہرگز

اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں

میں ہوگا۔“

رب ذوالجلال نے اہل اسلام کے لئے ضابطہ حیات کی شکل

میں اپنی آخری اور مکمل کتاب قرآن مجید، نبی آخر الزماں حضرت

محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور آپ کو اس کا مبلغ و معلم بنا کر دنیا میں

مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب مقدس کو اول سے آخر

تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا بلکہ خود اس کے

جملہ احکامات و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا۔ آپ

ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کی قولی و عملی تفسیر ہے آپ کے

ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے تو آئیے اب ہم

قدوسہ تفصیل سے حدیث نبوی ﷺ کا تعارف کراتے ہیں۔

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَزَنًا مِّمَّا فُتِنُوا وَيَسْئَلُونَ لِمَا قِيلَ لَهُمْ (النساء: ۶۵)

”کہ قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے آپ ان میں کرویں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور فرما براداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

۵۔ آپ کی ذات و صفات میں ہر مومن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔“

۶۔ آپ جو کچھ دیں اس کو لینا اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے کہ یہی مختصر رہائی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۵۰) ”اور رسول جو کچھ تمہیں دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔“

۷۔ آپ کی اتباع سب پر فرض ہے۔ کہ فرمان الہی ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

”آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔“

۸۔ آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (محمد: ۳۳)

”کہ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔“

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جو چیزیں بیان فرمائیں، کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا، جن چیزوں کو حلال اور جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا، باہمی معاملات و قضایا میں جو فیصلے فرمائے تنازعات و خصومات کو جس طرح چکا یا ان سب کی حیثیت دینی اور تشریحی ہے بلکہ آپ کی پوری زندگی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ جس کی پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے آپ کی اطاعت براہی پر فرض ہے جو آپ حکم دیں اس کو بجالاؤ اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہر مومن کے لئے لازم اور ضروری ہے مختصر یہ کہ آپ کی اطاعت ہی درحقیقت رب

نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور جب ہم برابر کھڑے ہو جاتے تو آپ اللہ اکبر کہتے۔“ یہ آپ کا بحیثیت امام الیک عمل ہے جو امتوں نے دیکھا۔

۳۔ حدیث تقریری: یعنی رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں جو کام کیا گیا ہو اور آپ نے خاموشی اختیار فرمائی ہو یا اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہو تو اسے حدیث تقریری کہتے ہیں۔ جیسا کہ: (سنن ابوداؤد: ج ۱: ۱۲۶) میں ہے قیس بن عمرو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ: ”صلاة الصبح دو رکعت ہے۔“

”فجر کی نماز فرض تو صرف دو رکعت ہے۔“ یہ سن کر صحابی نے عرض کیا کہ میں نماز فرض سے پہلے کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا تو اب ادا کی ہیں رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے یعنی آپ نے اس کی اجازت دے دی۔

حیث نبوی کی مبنی حیثیت:

حدیث رسول کا دین میں کیا درجہ ہے اس کو دہن نشین کرنے کے لئے نبی ﷺ کی چند حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن کو قرآن پاک نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

۱۔ آپ کی ایک حیثیت یہ ہے کہ آپ مبلغ دین ہیں۔ ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (سورہ مائدہ: ۱۰۷)

”کہ اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے۔“

۲۔ آپ مراد الہی کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۱۰۶)

”اور آپ پر ہم نے ذکر اتارا تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں۔“

۳۔ تخریم و تحلیل (حلال و حرام کرنا) آپ کے منصب میں داخل تھا فرمان الہی ہے: ﴿وَيُجَلِّلْ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُخَرِّمِ عَلَيْهِمُ الْفَاحِشَاتِ﴾ (الاحزاب: ۷۰)

”اور وہ لوگوں کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔“

آپ امت کے تمام دینی معاملات میں قاضی اور حکم ہیں۔ ارشاد باری ہے: ﴿فَلَا وَزَيْتِ لَكُمْ لَا يَرْبُحُونَ خَتَىٰ يَخِجُّكُمْ مَكًّا﴾

الدنیا بحدثا فیہا“۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد، برقم: ۳۲۰)

”کہ تم میں سے جو صحیح کرے اس حال میں کہ وہ اپنے راستے میں مومن و محفوظ ہو جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اور اس حال میں کہ اس کے پاس اس کے ایک دن کی روزی ہو تو گو یا دنیا اسے اپنے تمام اسباب کے ساتھ مل گئی۔“

مذکورہ حدیث میں ”امن و سلامتی“ کی اہمیت دو دو چار کی طرح بالکل عیاں ہے اس کے باوجود مختصر انسانیت، نبی رحمت اور آپ کے لئے ہوئے دین کو انتشار و بدمعنی پھیلانے کا ذمہ دار سمجھا جائے یہ کتنی بڑی نا انصافی اور کیسا کھلا بہتان ہے! آئیے اگلی طور میں ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ انفرادی یا اجتماعی سطح پر امن و سلامتی کی بحالی کے لئے حدیث نبوی نے کیا کردار نبھایا ہے۔

امن و سلامتی کے دو مختلف پہلو:

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ امن و سلامتی جس طرح انسانی جسم اور انسانی روح کا تقاضہ ہے اسی طرح سماج و معاشرہ کے لئے بھی ”امن و سکون“ ناگزیر ہے گو یا انفرادی سطح پر جس قدر امن کی ضرورت ہے اسی طرح اجتماعی طور پر بھی امن و سکون کا وجود بہت اہم ہے۔

حدیث نبوی نے انفرادی و داخلی امن کی بحالی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سماجی امن کا بیجنا بھی پیش کیا ہے بطور ذیل میں ہم دونوں پہلوؤں پر امن و سکون کی بحالی کے لئے حدیث نبوی کا جو رول رہا ہے اس پر گفتگو کریں گے۔

انفرادی (داخلی) امن و سکون کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار:

کسی بھی سماج کے لئے اس کے افراد کا داخلی و انفرادی امن و سکون بالکل اسی قدر اہم ہے جس طرح کسی مضبوط دیوار کے لئے اس کی اینٹوں اور دیگر میٹریل کا پختہ ہونا ضروری ہے کہ دیوار کی مضبوطی کا دار و مدار اینٹوں کی مضبوطی پر ہے اسی طرح سماجی امن کا تصور بھی افراد کے داخلی سکون و اطمینان کے بغیر نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں کہ بسا اوقات بعض افراد کے داخلی انتشار و فساد کی وجہ سے عظیم فتنے پڑ پڑاں ہوئیں اور امن عالم تہہ و بالا ہو گیا بلا کو، چنگیز خاں، مسولین اور اُنطر کی شخصیات کا بار یک جہتی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان کے نہاں خانہ دل میں جذبات و احساسات کا ضل نیز

العالمین کی اطاعت ہے قرآن کریم میں بصراحت موجود ہے: ﴿مَنْ بَطَعَ الزُّنُوفَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰/۸۱) ”کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔“

اب ظاہر ہے کہ وضو، غسل، روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج، عبادت و کرائی، نکاح و طلاق، قضا یا خصومات، سیاست و معاشرت، الغرض جملہ احکام دین کے متعلق آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن ان کی تشریح، ان کے جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل نبی کے اقوال و اعمال اور آپ کے احوال میں موجود ہے اس لئے اللہ کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت و اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و حجت اور قدرے تفصیلی بیان و تعارف کے بعد ہم بتانا چاہیں گے کہ امن و سلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار کیا ہے لیکن کردار کا تذکرہ کرنے سے پہلے ”امن و سلامتی کی اہمیت“ جان لی جائے تو بہتر ہو گا۔

امن و سلامتی کی اہمیت:

کسی بھی انسانی سماج و معاشرہ کے لئے امن و سلامتی کا وجود ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر نہ تو لوگوں کے دنیاوی مقاصد پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تجارت و کاروبار اور دیگر منافع کا تحفظ ممکن ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے انسانی معاشرہ کا ہر فرد خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم تسلیم کرتا ہے۔

چنانچہ امن و سلامتی کا قیام اسلام کا ایک ایسا بنیادی مقصد ہے کہ جو اگر پورا نہ ہو اور سماج و انتشار و بدمعنی کی نذر ہو جائے تو پھر زمین اسلام پر فربہ نہ نماز جیسا اہم رکن بھی باجماعت ادا کر نہ فرض نہیں رہ جاتا بلکہ ہفت کی عید جمعہ کی بابت بھی رخصت ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کی بجائے نماز ظہر ادا کر لی جائے۔

اسی طرح فریضہ حج، جو اسلام کا نہ صرف ایک رکن بلکہ عظیم شعائر اسلام میں سے ہے اگر کسی صاحب ایمان پر فرض ہو جائے اس طور پر کہ وہ صحت مند اور جانکاد و پراپرٹی والا ہو لیکن اس کا راستہ پر امن اور محفوظ نہ ہو، بلکہ ہر طرف بدمعنی چھلی ہوئی جو جس کی وجہ سے وہ سفر حج میں اپنے نفس پر خطرات محسوس کر رہا ہو تو پھر حج کی فرضیت اس سے ساکت ہو جاتی ہے۔

امن و سلامتی کی اسی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ”من أصبح منكم اعدا فہی سر بہ معافی فی جسده عندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ

لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے قلم اٹھائے گئے اور صیغے خشک ہو گئے ہیں۔“

قرآن کریم نے اسی عقیدے کو بڑے ہی مؤثر حیرانے میں بیان فرمایا ہے یہ سوال اٹھاتے ہوئے کہ:

﴿فَأَنذِرْ الْقَوْمَ الْيَاقِينِ أَخَذُوا بِالْأَمْنِ إِنَّ كَلِمَتَكَ تَعْلَمُونُ، الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْيَمَانَ هُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُنْكَرُونَ﴾ (الانعام: ۸۱-۸۲)

”وہ فریقوں میں سے امن کا حقدار کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو وہی لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔“

مختصر یہ کہ انسان کے داخلی امن و اطمینان کا سب سے اہم ذریعہ ہے ”ایمان باللہ“

انفردی اور داخلی امن و سکون کو پائیدار و مستحکم بنانے کا دوسرا اہم ذریعہ ہے ”ایمان بالآخرت“ جسے عقیدہ آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عقیدہ انسان کے اندر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، حساب و کتاب دینے اور اپنے اعمال و کثرت کے مطابق جزا و سزا پانے کے تصور کو قائم دیتا ہے اور اس طرح انسان کے ظلم و ستم کی راہ میں ”عقیدہ آخرت“ ایک بڑا ہیرو بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ صرف اپنے جائز حقوق پر قناعت کرے اور خود و اسلام کا پابند رہے۔

گو یا ایک انسان کو حد سے تجاوز اور ظلم و ستم کی سے باز رکھنے والی دوسری سب سے بڑی طاقت ہے ”آخرت پر ایمان“ جس کا تصور حدیث نبوی نے بڑے ہی صریح لفظوں میں پیش کیا ہے کہ:

”وَالْإِيمَانُ : أَنْ تُوْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبِالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ۔“

”ایمان تو دراصل اللہ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر یقین کرنے کا نام ہے۔“

اسی عقیدہ آخرت کا تصور قرآن نے بے شمار آیات میں پیش کیا ہے سورہ طہ میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَلَأْنَا الْإِنْسَانَ لِيُفْلِحَ، أُنْزِلَ إِلَيْكَ الزَّبْحُ﴾ (التعلق: ۹۶-۹۷)

”کچھ نہیں انسان سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ وہ پاتا ہے اپنے تئیں آزاد (لیکن اسے لازماً) حیرے پر وردگار کے پاس

ان کے ذہنی و قلبی اختراہی کے نتیجے میں کائنات ارضی سے چلین و سکون غارت ہوا اور بے پناہ قتل و خون کا بازار گرم ہوا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مذہب اسلام تمام دنیاوی مذاہب کے درمیان ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے کہ اسلام کی بنیاد جن اعتقادات پر قائم ہے ان کا مجموعی نام ہی ایمان ہے جو ”امن“ سے ماخوذ ہے اور جس کا حاصل وہ سکون و اطمینان ہے جو ایمان کی بدولت انسان کے قلب و ذہن میں پیدا ہے۔

چنانچہ ”حدیث رسول“ نے انسان کے کہاں خانے میں امن و اطمینان کو برپا کرنے کے لئے جو نسخہ بتلایا ہے اس کی پہلی کڑی ہے ”ایمان باللہ“ جس کا مطلب ہے اللہ کو ایک جانتا اور اس کی ذات، اس کے اسماء و صفات اور اس کے افعال و اعمال میں اسے یکساں و بے مثل تسلیم کرنا نیز معاملات و دنیا میں جائز اسباب و وسائل کو اپناتے ہوئے اسی وحدہ لا شریک پر عمل اعتماد و بھروسہ کرنا کہ وہی وہ ذات ہے جو کسی کو دنیا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور کسی سے روک لے تو کوئی دینے والا نہیں، یہی وہ عقیدہ ہے جو بندے اور اس کے خالق و مالک کے درمیان ایک ایسے مضبوط تعلق کو جنم دیتا ہے جس سے انسان کو حقیقی امن و راحت میسر آتی ہے اور جس کے نتیجے میں انسان کے قلب و دماغ میں فرحت و انبساط اور مسرت و شادمانی کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے وہ محسوس تو کر سکتا ہے بیان میں نہیں لاسکتا۔

جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ”يَا غُلَامُ إِنِّي أَعْلَيْتُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلَكَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بَشِيءٌ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بَشِيءٌ، قَدْ كَتَبَ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بَشِيءٌ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بَشِيءٌ، قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ، زُفَعْتُ الْإِفْلَاقُ وَزُفْتُ الْخُسْفُ“ (رواہ ۱)

ترمذی فی ابواب الزہد: برقم: ۲۵۱۲)

”تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا تم اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے رب پروردگار (پناہ دگار) پاؤ گے۔ جب تم یا اللہ سے مانگو، مدد مطلوب ہو تو صرف اللہ سے چاہو، اور یاد رکھو دنیا کے سارے لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہارے

لوٹ کر جانا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ”امن و سلامتی“ اگر قائم ہو سکتی ہے تو صرف ایمان کی بنیادوں پر۔ علاوہ ازیں امن و سلامتی کی کوئی بھی ایکم جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے خالی ہو قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سماجی اور اجتماعی امن کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار:

اجتماعی و سماجی امن و سلامتی کے لئے بھی حدیث نبوی نے ایک عمدہ قابل عمل ایجنڈا پیش کیا ہے سب سے پہلے افراد معاشرہ پر زور دیا ان کی تربیت کرتے ہوئے ان کے قلوب و اذہان میں عقیدہ و توحید اور عقیدہ آخرت کی آبیاری کر کے انہیں امن و امان کی ڈگر پر لگا دیا اور تاکہ وہ اس راہ پر ثابت قدم رہیں اور سماجی امن و سلامتی کو فروغ حاصل ہو انہیں ”تھنا و اتھنا“ کے معاشرتی اصول کا پابند بنایا۔

اسی طرح امن و امان کی پائیداری کے لئے حدیث نبوی نے امن کے مثال شیعوں کو ایک ہدایت یہ بھی دی کہ تمہارے معاملات خواہ وہ بھی ہوں یا سماجی ”الْحَبْطُ فِي اللَّهِ“ کی بنیاد پر استوار ہوں اور ان میں مطلب پرستی کا شائبہ نہ ہو اور ”الْحَبْطُ فِي اللَّهِ“ کی فضا قائم کرنے کے لئے ایک نسخہ کیا بصورت دعا مہیا فرمایا جسے ہم ”دعائے سلامتی“ یعنی ”السلام علیکم“ کہتے ہیں جو بظاہر دو جگہات کا مجموعہ ہے پر دلوں کو جوڑنے میں بحیثیت اکسیر ہے۔

اس حقیقت کو معلم امت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے جسے امام مسلم نے اپنی ”صحیح مسلم، کتاب الایمان“ میں درج فرمایا ہے کہ:

”لَا تَدْخُلُونَ الْفِجْنََةَ حَتَّى تَقُولُوا، وَلَا تَخْرُجُوا حَتَّى تَقُولُوا، أَوْ لَا أَذَلَّكُمْ عَلَى شَيْءٍ، إِنْ أَفْعَلْتُمْ وَتَحَابَبْتُمْ، أَفْقَشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ“ (رواہ مسلم)

”تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک باہم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو تو کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس سے تمہارے مابین محبت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے کہ) اپنے مابین سلام کو خوب پھیلاؤ۔“ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان عن انس)

ہریرہ: ۱۹۳

چنانچہ یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں کہ آج معاشرہ میں سب سے زیادہ کمی اور کمی جانے والی دعا باہم سلامتی کی دعا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ ”السلام علیکم“ کا یہ جملہ ان شعائر اسلام میں سے ہے جو اہل ایمان

کے لئے نہ صرف باعث امتیاز بلکہ باعث افتخار بھی ہے۔

اسی طرح فروغ امن کے تین حدیث نبوی کا ایک روشن باب یہ بھی ہے کہ اس نے باہمی محبت و ہمدردی اور آپسی بھائی چارہ کا ایسا عالمی ایجنڈا پیش کیا ہے جس کے مطابق دنیا کے سارے لوگ ایک ہی کنبہ اور خاندان نظر آتے ہیں جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے پیام تشریق کے دوران خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنِّي زَنْكُمُ وَاحِدٌ، وَإِنِّي أَنَا كُفُّكُمْ وَاجِدٌ، وَلَا فَطْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَبِيٍّ، وَلَا لِعَجَبِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَخْمَرُ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدُ عَلَى أَخْمَرٍ، إِلَّا بِالْفُلْغَوِيِّ“ (مسند احمد: ۲۱۱/۵)

”اے لوگو! سن لو! تمہارا رب یقیناً ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ اور سن لو! کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں اسی طرح کسی غیر عرب کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ ہی کسی سرخ (گورے) کو کسی کالے پر اور نہ کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ ہاں مگر توحید و پرہیزگاری کی بنیاد پر۔“

حدیث بالا کی رو سے دنیا کے سبھی انسان خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے، عرب کے ہوں یا عجم کے، کالے ہوں یا گورے، متہدین ہوں یا غیر متہدین، مرد ہوں یا عورت، کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں کسی بھی نظریہ اور عقیدہ کے حامل ہوں کسی بھی شکل و صورت کے مالک ہوں اور کوئی سی بھی زبان بولتے ہوں سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے رشتے سے اسلام کی نظر میں ایک ہی خاندان ہیں ان میں بحیثیت انسان کوئی اونچ نیچ اور جید بھاد نہیں تاہم دنیا کی دیگر اقوام اور دھرموں کا جائزہ لیجئے تو ان میں کہیں کا سست سستم، تو کہیں کالے گورے کا فرق نمایاں طور پر نظر آئے گا۔

تو یہ ہے حدیث نبوی کی تعلیم اور اس کا پر امن ایجنڈا جو عرب و عجم کے نام پر کسی بھی تفریق کا ردوار نہیں اور کالے گورے کی بنیاد پر کسی جید بھاد کا قائل نہیں اب ایسا وھرم اگر امن و شanty کا علمبردار نہ ہو تو پھر کون ہو سکتا ہے!!!

اور دوسری جانب نظر ڈالئے تو حدیث رسول نے ایسے تمام یہود و اخلاق و عادات اور چال چلن جو سماجی امن و سکون میں رکھنے انداز ہو سکتے تھے نیز اتفاق و اتحاد کی بجائے اختلاف و انتشار اور محبت و الفت کی بجائے نفرت و عداوت کی فضا بنا سکتے تھے ان تمام پر تقدس لگا دی اور انہیں ممنوع و حرام قرار دیا۔

هَذَا مَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ الْوَسْوَاعِطَ

طلاق کے چند مسائل

ذکر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ (رکن خدائے عظمیٰ، مدیر کرمہ داستانہ جامعہ محمدیہ منصور، روڈ مارکیٹ لاہور)

جبر و اکراہ سے لی گئی طلاق کا حکم:

سوال: زید کے والد نے اپنے رفقا کی معیت میں جبراً زید سے طلاق نامہ پر دستخط کروائے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

زید نے طلاق کے کلمات اپنی زبان سے ادا نہیں کئے بلکہ اس کو طلاق نامہ پڑھ کر سنا یا گیا جس میں ایک مجلس میں تین بار طلاق دیا میں نے درج ہے۔

اب وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے طلاق نامہ کی تاریخ محرم الحرام ہے۔

جناب والا سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر مشکوٰۃ فرمائیں۔

جواب: بشرط صحت سوال اگر واقعی زید کے والد نے اپنے رفقا کی معیت میں زید سے طلاق نامہ پر دستخط مجبور و اکراہ کروائے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق مکروہ واقع نہیں ہوتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے: "إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنِ أَمْتِي الْخَطَأَ، وَالْيَسَانَ، وَفَا انْشَكَرَ هُوَ اعْلِيَّ" (رواہ ابی ماجہ فی

سننہ: ۲۰۳۳) و الطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۳۶۹، و الحدیث فی التصدیک: ۲۸۰، و الدار قطنی فی سننہ: ۳۵۱، و ابی حاتم فی صحیحہ: ۲۱۹، و راجعہ ثقات، و سندہ قوی، و حسنہ الثوری، و قال الاشبانی: صحیح ارواء الغلیل: (۱۲/۱۲۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول، چوک اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو معاف کر دیا ہے۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اگر جبر و اکراہ کی وجہ سے کوئی کلمہ کفر کہہ دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور اس کی وجہ سے اسے کافر نہیں سمجھا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ﴿

لَا مَلَأَ مِنْ أَخِيَّةٍ وَ قُلُوبِهِمْ مَطْمَئِنِّ بِالْأَيْمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۲) اسی طرح جو شخص کسی کے جبر و اکراہ کی وجہ سے طلاق نامہ پر دستخط کر دے اس کی طلاق کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔

فتہ خفی میں بھی مکرہ سے جبراً طلاق نامہ لکھوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک وہ زبان سے ادا نہیں کرے "وَيُفْعَلُ طَلَاَقٌ كُلُّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٌ، وَلَوْ مَكْرَهًا، كَذَا فِي الدَّقَائِقِ (ص: ۲۶۹)، وَيُفْعَلُ طَلَاَقٌ كُلُّ زَوْجٍ بَالِغٍ عَاقِلٍ، وَلَوْ تَقْدِيرًا، وَلَوْ غِبْذًا أَوْ مَكْرَهًا فَإِنَّ طَلَاَقَهُ صَحِيحٌ لَا إِفْرَازَ بِالطَّلَاقِ، كَذَا فِي تَنْبِيهِ الْإِبْصَارِ وَالْوَاقِعِ الْمَخْتَارِ (ص: ۲۰۲)، فَلَوْ أَخْبَرَهُ عَلَى أَنْ يَكْتَسِبَ طَلَاَقَ امْرَأَتِهِ فَكَتَبَ لَا تَطْلُقُ، لِأَنَّ الْكِتَابَةَ أَقْبَمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ لَهَا، كَذَا فِي التَّحَانُوتِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲۶۳/۳)... وَهَكَذَا فِي الطَّحَاوِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ الْفَقْهِ"

اگر غصہ میں بلا نیت زبان سے طلاق کا لفظ نکل گیا:

سوال: میرے ادر میری بیوی کے درمیان گھر بیلو معاملے میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے میں نے غصہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا، کیا اس طرح کہنے سے طلاق ہوگئی؟ جبکہ ہمارے چھ بچے ہیں اور میں سنجیدہ ہونے کے بعد اس پر نادم ہوں۔

آپ مسئلہ مذکورہ کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیکر عند اللہ ناجور ہوں۔

جواب: بشرط صحت سوال اگر آپ کی نیت طلاق کی مطلق نہیں تھی لیکن شدت غضب میں بے اختیار آپ کی زبان سے

تھا چھوڑ دے کا لفظ سنتے ہی میرے دماغ نے کام نہیں کیا میرا بھائی چھوڑ دے چھوڑ دے کہتا رہا اور میں نے غصہ میں آکر طلاق، طلاق، طلاق صرف اتنا کہا اور ہر کھل گیا اس کے بعد وہ مینے سے میری بیوی اس کی ماں کے پاس رہتی ہے اور چھ بچے میرے پاس رہ رہے ہیں۔

آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ مجھے اطمینان بخش جواب دیں تاکہ میں اپنی ازدواجی زندگی پھر سے شروع کروں بہت بہت مہربانی ہوگی۔

جواب: اگر غصہ کی وجہ سے آپ کی حالت ایسی تھی، کہ بلا قصد و ارادہ کے ہی آپ کی زبان سے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ نکل گئے ہوں اور آپ کی نیت طلاق دینے کی قطعاً نہیں تھی تو ایسی صورت میں جیسے جھوٹوں اور ناقص العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور آپ کا طلاق، طلاق، طلاق کہنا لغو ہوا، اور اگر غصہ کے باوجود آپ نے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ اپنی زبان سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے ادا کئے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی، کیونکہ آپ نے اگرچہ بیوی کا نام لے کر یا اس کو خطاب کر کے ”تم کو طلاق دیا“ نہیں کہا ہے، مگر میراں بیوی کا جھگڑا، پھر آپ کے بھائی کا یہ کہنا کہ اس کو اس کی ماں کے یہاں چھوڑ دے اس کے بعد آپ کا طلاق، طلاق، طلاق کہنا یہ سب قرینے ہیں اس بات کے لئے کہ اس سے آپ کا مقصد اس بیوی کو طلاق دینا ہی تھا، البتہ چونکہ تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں ہوئی اس واسطے یہ شرعاً ایک طلاق رجعی مانی جائے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور اگر اس سے قبل آپ نے اس عورت کو دوسرا معتبر طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں اس سے رجوع کر سکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کر کے اپنی زوجیت میں لا سکتے ہیں اور اگر اس سے قبل دوسرا معتبر طلاق دی ہے، اور یہ تیسری طلاق ہے تو اب یہ عورت آپ کے لئے

طلاق، طلاق، طلاق، نکل گیا تو ایسی صورت میں آپ کا یہ جملہ لغو شمار ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوئی ارشاد نبوی ہے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى“ (صحیح البخاری: ۱۶۱۸، ج: ۱، صحیح مسلم: ۱۵۱۵۳، ج: ۱۶، ۱۷) اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے غصہ میں کہا طلاق اور بیوی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا تو آپ نے جواب دیا: ”إِنْ لَمْ يَفْضَحْ بِذَلِكَ تَطْلِيقَهَا لَمْ يَفْعَلْ بِهَذَا اللفظ خلافت“

اور اگر طلاق، طلاق، طلاق کہنے سے آپ کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی تھی جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو طلاق واقع ہوگئی، کیونکہ جب غصہ میں جھگڑا کرتے ہوئے آپ نے طلاق، طلاق، طلاق کہا تو اگرچہ بیوی کا نام نہیں لیا یا ”تم کو طلاق دیا“ اس کو طلاق“ نہیں کہا، مگر قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا، اس پر ناراض ہوئے تو اس وقت آپ نے طلاق دی وہ بھی اسی کو دی کسی دوسرے کی بیوی کو نہیں۔

البتہ اگر آپ نے یہ الفاظ ایک مجلس میں کہے ہیں تو ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور ایسی صورت میں اگر عدت ختم نہ ہوئی ہو تو آپ رجوع کر سکتے ہیں نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو بیوی اور اس کے ولی کی رضامندی سے مہر چاندی کے ساتھ اس سے از سر نو نکاح کرنا پڑے گا۔

غصہ میں جھگڑتے ہوئے صرف طلاق، طلاق کہنے کا حکم:

سوال: عرض ہے کہ دو مہینے قبل میری بیوی کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا، بھکار کے دوران میرا بڑا بھائی فیض محمد آکر بولا تم لوگ لڑائی جھگڑا کر رہے ہو اگر یہ عورت تمہاری بات نہیں مانتی چھ بچوں کی ماں ہے پھر بھی من مانی کرتی ہے تو اس کو تم کی ماں کے یہاں بچھا دو میں غصہ کی وجہ سے جنون کی حالت میں

شرعی طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں رجوع کر سکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا۔

سوال: زید جب پکارتا ہے تو رک رک کر پکارتا ہے (ہکا لاتا ہے) ایک روز گھر آیا تو گھر پر اس کی بیوی اور اس کی والدہ میں جھگڑا ہو رہا تھا تو اس نے اس کو خاموش رہنے کے لئے کہا لیکن وہ نہیں مانی تو اس نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو ہاتھوں اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا، نتیجے میں توازن بگڑنے کے بعد خود اس کا سردیوار سے ٹکرا گیا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھا اور اس بیچانی کیفیت میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں گا کہا، لیکن جب ہوش میں آنے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو وہ اپنے اس فعل سے لاعلمی ظاہر کر رہا ہے اس کے اس فعل پر کوئی گواہی بھی نہ مل سکی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔

اس واقعہ کے بعد محلے کے لوگوں نے معاملے کو بڑھا کر اس مقام تک پہنچا دیا کہ ان کی جدائی تک بات آگئی اور جب اس مجلس میں ساری بات طے کی جا رہی تھی تو اس وقت زید کو بلا دیا گیا اور اس سے یہ کہلوا دیا گیا کہ میں نے اپنی بیوی (فرزاند بنت سید عبدالغفار) کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا، قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے کے تعلق سے کیا رہنمائی ملتی ہے اس کو تحریر کر کے آپ اللہ کے نزدیک مستحق ثواب نہیں اور ہمیں شکر یہ کا موقع دیں۔

جواب: زید نے بیچانی کیفیت میں جب یہ کہا تھا کہ میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں گا تو اس کی طلاق نہیں ہوئی تھی اس واسطے کہ اولاً تو وہ ہوش و حواس میں نہیں تھا جیسا کہ آگے کے جملے ”جب ہوش میں آنے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو وہ اپنے فعل سے لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے“ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور ہوش میں نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجنون کے حکم میں ہوا، لہذا جس طرح مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

دوسرے اس نے یہ کہا تھا کہ ”میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں گا“ یعنی مستقبل میں طلاق دینے کی دھمکی دی تھی اس نے طلاق دی نہیں تھی اور صرف دھمکی سے طلاق واقع نہیں

اس وقت حلال ہوگی جب وہ عدت گزرنے کے بعد کسی شخص سے اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کرے، پھر اس کا انتقال ہو جائے یا کسی بنا پر طلاق دے دے اور عدت ختم ہو جائے، عدت ختم ہونے کے بعد آپ از سر نو نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حالت غصہ کی طلاق کا حکم:

سوال: جمال الدین بن فضل الرحمن کا اپنی بیوی بسم اللہ بنت شیخ واحد سے جھگڑا ہوا، بات بڑھی اور معاملہ گالی گلوچ اور مار پیٹ تک پہنچا اور اسی دوران غصہ کی شدت میں جمال الدین نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا جا میں نے تجھ کو طلاق دیا (تین مرتبہ) پھر کچھ دور جا کر مڑا اور دوبارہ طلاق کا مذکورہ جملہ تین بار کہا۔

واضح رہے کہ جمال الدین کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح طلاق دی صرف اتنا یاد ہے کہ طلاق دیا تھا، البتہ میں موقع واردات پر موجود تھا اور میرے مشاہدہ کے مطابق صورت حال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، براہ کرم کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ طلاق کے متعلق شریعت کیا فیصلہ کرتی ہے؟

جواب: جمال الدین صاحب کا غصہ شدید ضرور تھا مگر ان کو اتنا یاد ہے کہ میں نے طلاق دی ہے البتہ عدل کا صحیح خیال نہیں ہے، اس واسطے احتیاطاً ان کی طلاق کو ایک طلاق رجعی مان لینا چاہئے، اگر انہیں اس کا بھی ہوش نہ ہوتا تو یقیناً وہ مجنون کے حکم میں ہوتے اور ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، ان کی ایک مجلس کی ان طلاقوں کو ایک اس واسطے مانا جائے گا کہ یہ بھی بدی اور خلاف سنت ہے، اور ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۲۴۰)

اس واسطے ان طلاقوں کو بھی ایک طلاق رجعی ہی مانا جائے گا اور اگر جمال الدین صاحب نے اس سے قبل اس عورت کو دو

شدید رہا ہو کہ اس کے ہوش و حواس درست نہ رہے ہوں، اور اس کی زبان سے کیا نکلا، کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ایسی صورت میں مجنون کے حکم میں ہو کہ مرفوع القلم ہوگا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا طَلَاقَ، وَلَا غَتَاقَ فِيهِ إِغْلَاقَ"

(الخروجہ ابن ماجہ: ۲۰۳۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، و أحمد: ۴۶۳۶۰، والنسائی: ۲۸۰۲، والبیہقی: طبع السنن الکبریٰ: ۱۵۰۹۴، وهو حدیث حسن، انظر زاد المعاد: ۲۰۱/۵)

یعنی عصر کی حالت میں نہ ہی طلاق واقع ہوگی نہ ہی غتاق۔ اطلاق کی تعریف کرتے ہوئے ابن القمام احمد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: "بُعِي الغَضْبُ هَذَا نَصَّ أَحْمَدُ حُكْمًا عَنْهُ الْخَلَّالُ وَأَبُو يَكْرَ فِي "الشَّافِي" وَ "زَادَ الْمَسَافِرُ". فَهَذَا تَقْسِيمُ أَحْمَدَ. وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ: أَطْلَقَ الْغَضْبُ" (زاد المعاد: ۱۵۵/۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "وَحَقِيقَةُ الْإِغْلَاقِ أَنَّ يَغْلَقُ عَلَى الْمَرْجُلِ قَلْبُهُ فَلَا يَقْضِي الْكَلَامَ أَوْ لَا يَعْلَمُ بِهِ كَأَنَّهُ انْغَلَقَ عَلَيْهِ قَضْدُهُ وَإِذَا ذَلِكُ" (المستدرک علی مجموع الفتاوی: ۱۶۵)

اور اگر طلاق دیتے وقت اس کا غصہ اس قدر شدید نہ تھا، بلکہ جو کچھ اس نے زبان سے کہا سمجھ کر اور نیت کر کے کہا تو اس کی طلاق واقع ہوگئی۔

البتہ جو اس نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں وہ شرعاً ایک ہی مانی جائے گی، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

نیز انھیں کی دوسری حدیث ہے کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دی پھر بہت غمگین ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے کس طرح طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک ہی مجلس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تب تو یہ ایک ہی طلاق

ہوتی، جب تک کہ یہ نہ کہہ دے کہ "میں نے اس کو طلاق دی" یا "میں اس کو طلاق دیتا ہوں" طلاق واقع نہیں ہوگی، بعد میں مجلس میں جن لوگوں نے اس سے یہ کہلایا کہ "میں نے اپنی بیوی بنام فرزانہ بنت سید عبدالغفار کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا" وہ شرعی مسائل سے بالکل ناواقف اور احمق لوگ ہیں، ایسے لوگوں کو ہرگز ایسے مسائل کے حل کے لئے نہیں بلانا چاہئے، بچوں اور فیصلہ کرنے والوں کو شرعی مسائل سے واقف ہونا چاہئے اور اگر واقف نہیں تو کم از کم ان میں اتنی عقل ہوئی چاہئے کہ کوئی کام کرنے اور کرانے سے پہلے اس کے بارے میں علماء سے دریافت کر لیں، وہ معاشرہ کبھی بھی سکون و راحت نہیں پاسکتا جس کے قائدین و شیخ، علماء و عقلا کے بجائے امرا و روسا ہوں۔

ان لوگوں نے زید سے یہ جملہ کہلوا کر اس کو مصیبت میں ڈال دیا ہے، بہر حال ہجر واکراہ اس سے کہلویا گیا ہے اور وہ شرعاً مکروہ تھا تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس سے ہجر واکراہ نہیں کہلویا گیا بلکہ ان لوگوں نے اس کو ایسا کہنے کے لئے کہا اور اس پر کوئی سختی نہیں کی ماریت کر نہیں کہلویا پھر بھی اس نے کہہ دیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

البتہ یہ ایک طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور اگر اس سے قبل زید نے اس عورت کو وہ شرعاً معتبر طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزارنے کے بعد عقد جدید کر سکتا ہے۔

سوال: اس مسئلہ میں اللہ و رسول کا کیا حکم ہے؟ ازراہ کرم بحوالہ تحریر فرما کر جواب بالصواب سے شاد کا مفرمائیں۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو نہایت غضب ناک ہو کر فوراً تین طلاقیں دیں لیکن پھر وہ اپنی بیوی کو لے جانا چاہتا ہے طلاق دے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے، ایسی صورت میں وہ اپنی بیوی کو کس طرح سے اپنے گھر لے جا سکتا ہے۔

جواب: صورت مسئلہ میں اس شخص کو غصہ اگر اس قدر

فرمائیں۔

جواب: زید نے جس وقت اپنی بیوی پروین کو طلاق دی اس وقت اگر اس کا قصد اس قدر شدید تھا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو تو وہ مجنون کے حکم میں ہو کر مرفوع القلم قرار کیا جائے گا اور ایسی صورت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن اگر سخت غصہ ہونے کے باوجود طلاق دیتے وقت وہ ہوش و حواس میں تھا تو اس کی طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس کا مقصد اس سے ڈرانا اور دھمکانا تھا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت کو بھی حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور مذاق کو بھی حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور وہ تینوں چیزیں نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔ (سنن ابی داؤد: ۲۵۹۲، ح: ۲۱۹۳، و حسنہ الالبانی)

اس لئے چاہے سچے دل سے طلاق دی ہو یا ڈرانے کے لئے بہر حال طلاق واقع ہوگئی، البتہ اگر اس نے تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہو تو وہ شرعاً ایک ہی مانی جائے گی کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۱)

اب اگر زید اپنی بیوی پروین سے رجوع کرنا چاہتا ہے اور اس سے قبل اس نے اسے دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو وہ اس سے عدت میں رجوع کر سکتا ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی، پھر وہ بہت زیادہ رنجیدہ و غمگین ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے اس کو کیسے طلاق دی ہے؟ کہا: تین طلاق ایک مجلس میں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک شمار کی جائے گی، تم چاہو تو اس سے رجوع کرلو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۴۰۶، و حسن اسنادہ اشعشع شعبیہ الأذنفوط و سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

ہوئی اگر چاہو تو تم رجوع کرلو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۴۰۶، و حسن اسنادہ اشعشع شعبیہ الأذنفوط و سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق فرمان رسول کے مطابق ایک ہی ہوگی اور شوہر چاہے تو عدت میں رجوع کر سکتا ہے، لہذا اس شخص نے اگر اس سے قبل اس عورت کو شرعاً دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو مدت عدت میں رجوع کر سکتا ہے، اور مدت عدت اگر عورت کو حبس آتا ہے تو تین حبس اور اگر غیر بالف یا بوزہی ہونے کی وجہ سے حبس نہ آتا ہو تو تین مہینہ ہے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ہے اسی مدت کے دوران مرد کو رجعت کا حق حاصل ہے۔

اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو از سر نو عقد نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں اور اگر اس سے قبل دو شرعاً معتبر طلاق دی ہے اور یہ تیسری طلاق ہے تو اب دوبارہ اس وقت اس کو زوجیت میں لاسکتا ہے جب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کرے (حلالہ کی نیت سے نہیں) پھر اس مرد کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہو جائے، اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں۔

سوال: زید اور زید کی بیوی پروین اور زید کی ساس میں کچھ ان بن ہوگئی زید کی ساس نے اپنے داماد کے لئے کچھ ایسے جملے استعمال کئے کہ زید کو بہت غصہ آگیا زید نے بھی غصہ میں آکر اپنی ساس کو کچھ اسی طرح کے جملے کہہ دیئے اور جذبات میں آکر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، زید کا کہنا ہے کہ میں نے سچے دل سے طلاق نہیں دی ہے اور ابھی میرا دل نہیں مانتا، میں اس کو رکھنے کے لئے تیار ہوں، کیونکہ تنازعہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈرانے کے خاطر میں نے تین طلاق دی تھی، بہر حال اب سوال یہ ہے کہ:

- (۱) کیا میری بیوی میرے نکاح میں باقی ہے؟
 - (۲) کیا میری بیوی سے میرا نکاح ٹوٹ گیا ہے؟
 - (۳) اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو میں اپنی بیوی کو کس طرح رکھ سکتا ہوں؟ اس کی صورت کیا ہوگی؟
- قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت

حالت غضب کی ایک طلاق کے بعد رجعت:

سوال: آپسی تنازعہ کے سبب شوہر ایات حسین اپنی بیوی سلام النساء کو غضب میں آکر ایک مجلس میں طلاق دے چکا ہے، اب شوہر ویوی آپس میں تصفیہ کر کے پھر سے ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں پریشان ہیں۔
لہذا حضور والا سے مؤویانہ گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ صادر فرما کر عند اللہ ما جو رہوں۔

جواب: صورت مسئلہ میں اگر ایات حسین کا غصہ طلاق دیتے وقت اس قدر شدید تھا کہ اس کے ہوش و حواس درست نہ رہے ہوں۔ اور اس کی زبان سے کیا نکلا، یہ اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ مجنون کے حکم میں آکر مرفوع القلم ہو جائے گا۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا طَلَاقَ، وَلَا عَاقِقَ فِي إِغْلَاقٍ" (آخر جہ ابن ماجہ: ۲۰۴۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، أحمد: ۲۷۳۲۰، ابوالحاکم: ۲۸۰۲، والبیہقی: فی السنن الکبری: ۱۵۰۹۷، وهو حدیث حسن، التقریزان المعان: ۲۰۱/۵)

یعنی غصے کی حالت میں نہ ہی طلاق واقع ہوگی، نہ ہی عتیق اغلاق کی تشریح کرتے ہوئے ابن القیم نے امام احمد سے نقل کیا کہ: "یعنی الغضب هذا نص أحمد خذاه عنه الخلال وأبو بكر في "الشافي" و"زاد المسافر". فهذا نفيس أحمد. وقال أبو داود في سننیه: أَهْلَةُ الغضب" (زاد المعان: ۱۹۵/۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "وَحَقِيقَةُ الْإِغْلَاقِ أَنْ يَغْلِقَ عَلَى الرَّجُلِ قَلْبُهُ فَلَا يَقْضِدُ الْكَلَامَ أَوْ لَا يَعْلَمُ بِهِ كَأَنَّهُ الْغُلْقُ عَلَيْهِ قُضِدَ وَإِذْ أَقْلَهُ" (المستدرک علی مجموع الفتاوی: ۲۶۵)

اور اگر طلاق دیتے وقت اس کا غصہ اس قدر شدید نہ تھا، بلکہ جو کچھ ایات حسین نے زبان سے کہا سمجھ کر اور نیت کر کے کہا تو اس کی طلاق واقع ہوگئی ہے۔ البتہ چونکہ اس نے ایک ہی طلاق دی ہے اس لئے اگر اس سے پہلے اس نے اپنی بیوی سلام النساء کو دوسرا معتبر طلاق نہیں دی ہے، اور یہ اس کی پہلی یا

دوسری طلاق ہے تو مدت عدت میں اسے رجعت کا حق حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الطَّلَاقُ مَثَلُ مَا بَيْنَ رَجْعَةٍ اَوْ مَثَلُ طَلَقِ الْفَرْجِ﴾ (البقرة: ۲۲۹) یعنی طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے) دوسرے (کر کے دو مہینے میں دو طلاقیں) ہیں، پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، یا تو اچھے طریقے پر روک لینا (یعنی رجوع کر لینا) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا۔ (ترجمہ ابوالکلام آزاد)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَن يَرْجِعَ فِيهِنَّ ثَلَاثَةَ شُحُورٍ وَلَا يُحِلُّ لِهِنَّ أَنْ يَكْتَسِبْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِيهِ أَنْزَامَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَغَوَّ عَنْهُنَّ أَحَقُّ بِزَوْجٍ فِي ذَلِكَ أَنْ يَزَادُوا أَهْلًا لَهَا﴾ (البقرة: ۲۲۸) اور مطلقہ عورتیں تین حیض عدت گزاریں اور ان کے لئے حلال نہیں کہ ان کے رموس میں اللہ نے جو پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، اور ان کے شوہر اس (عدت) میں انہیں واپس کرنے (رجوع کرنے) کے زیادہ حقدار ہیں، اگر ان کا اصلاح کا ارادہ ہو۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور دو طلاق کے بعد عدت میں شوہر رجوع کر سکتا ہے۔
مدت عدت اگر عورت کو جنسی آتا ہے تو تین حیض ہے، اور اگر وہ خیر بالغہ یا بوڑھی ہے تو تین مہینے ہیں۔

اور اگر مدت عدت گزر گئی ہے تو از سر نو عقد نکاح کر کے سلام النساء کو اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے، حالانکہ ضرورت نہیں اور اگر اس سے قبل اس نے دوسرا معتبر طلاق اس بیوی کو دی ہے تو اب دوبارہ اس وقت اس کو اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے جب یہ عورت دوسرے مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کر کے (حلال کی نیت سے نہیں) پھر اس مرد کا انتقال ہو جائے، یا وہ طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہو جائے، اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ حد اما ترجع عندی واللہ و اعلم بالصواب۔

شدید غصہ کی حالت کی طلاق:

سوال: میرے فرزند کے ساتھ اس کی دلہن نے شدید

زید اپنے فعل پر نادم اور پشیمان ہے، زید چاہتا ہے کہ ہم اسے دوبارہ اپنے ساتھ رکھیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عند اللہ مٹھو اور عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: طلاق دے ہوئے صرف چند روز دن ہوئے ہیں۔
جواب: طلاق دیتے وقت اگر زید کا غصہ اس قدر شدید نہیں تھا کہ مجنون کی طرح ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع ہوگئی، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس میں تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس واسطے زید کی مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جائے گی اور اگر اس نے اس سے قبل اپنی بیوی کو دوسرا یا معتبر طلاق نہیں دی ہے، تو عدت میں اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا۔ اور اگر زید کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ وہ مجنون کی طرح سوچتے سمجھتے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا اور اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ایک مجلس کی تین طلاق:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاق اس جملہ کے ساتھ دیا کہ فلاں بن فلاں ہم سے تیرا طلاق دیا، جبکہ بیوی حالت حمل میں چار ماہ سے تھی اور چار ماہ شوہر سے الگ تھی اب حمل کا آٹھواں مہینہ ہے اور مرد و عورت دونوں رضا مند ہیں، اپنی ازدواجی زندگی میاں بیوی کی طرح گزارنے کے لئے تو کیا ایسی صورت حال میں طلاق واقع ہوگی کہ نہیں؟

جواب: مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوگئی ہے البتہ جو جملہ اس نے استعمال کیا ہے کہ فلاں بن فلاں ہم سے تیرا طلاق دیا یہ واضح نہیں ہے کیونکہ اگر تیرا (ت سے را) بمعنی تجھ کو یا تم کو ہے اور اسی جملے کو اس نے ایک مجلس میں تین مرتبہ دہرایا ہے تو اس کی یہ ایک طلاق ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر

بجٹھا کر آیا اور آپسی ٹھکر اس حد تک بڑھ گئی کہ فرزند بد حواس ہو کر جنون میں شدید غصے میں آ پے سے باہر ہو گیا، اور طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا۔

جنون غصہ دور ہوا، اگلے دن اس کو یاد دلایا جس پر وہ شرمندہ ہے، صورت مسئلہ میں کیا طلاق رجعی یا بائنہ ہوگی دونوں خاندان باوقار، باعزت ہیں، شرعی جواب دے کر مٹھو کر فرمائیں، تاکہ پھر ایک بار اجزا ہوا خاندان مل جائے۔

جواب: اگر مذکورہ بالا بیان درست ہے اور واقعی آپ کے بیٹے نے بیوی سے شدید نزاع اور ٹھکر ا کی وجہ سے بد حواس ہو کر جنون میں اور شدید غصے میں آ پے سے باہر ہو کر طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکتا ہے، رجوع یا عقد جدید کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا طلاق، ولا عتاق فی ای غلظ“

(اخرجه ابن ماجہ: ۲۰۳۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، أحمد: ۲۶۲۶۰، الترمذی: ۲۸۰۲، والنسفی: ۱۵۰۹۷، السنن الکبریٰ: ۱۵۰۹۷، وهو حدیث حسن، انظر زاد المعاد: ۲۰۱۵) یعنی حالت اغلاق میں طلاق صحیح نہیں، اور اغلاق کی تفسیر امام احمد رحمہ اللہ نے غضب سے کی ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ”أظن الغضب“ میرے خیال میں اس سے مراد غضب ہے، اور امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مکروہ، مجنون اور جس کی عقل نشہ یا غصہ کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو اور ہر شخص جسے اپنی بات کا علم اور اس کے لئے اس کے دل میں ارادہ نہ ہو سب داخل ہیں، اور امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی عقل غضب کی وجہ سے زائل ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا کہا ہے اس کی طلاق بلا اختلاف واقع نہیں ہوگی۔ (زاد المعاد: ۱۹۵۷)

لہذا بشرط صحت سوال مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی اور دونوں کی زوجیت برقرار ہے۔ خدا تعالیٰ والہ اعلم بالصواب۔

غصہ کی حالت میں ایک مجلس میں

تین طلاق:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دی ہیں، غصہ دور ہونے کے بعد

ایک لڑکا ہے۔

زید طلاق دیتے وقت بہت غصہ میں تھا اور آپ سے باہر تھا اب اسے اس بات پر بہت انصاف ہے اور اپنی اس بیوی کو دوبارہ زوجیت میں لانا چاہتا ہے، لہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس تعلیق سے شریعت اسلامیہ کے تحت کیا حاصل نکالا جاسکتا ہے براہ کرم کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: اگر زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور غصہ کی وجہ سے وہ بالکل فائدہ لعل اور ہوش حواس سے عاری تھا تو راجح مذہب کے مطابق اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن اگر ہوش و حواس برقرار تھے صحیح و غلط کی تیسر تھی تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی لیکن چونکہ تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں اور ایک ہی وقت میں دی ہے لہذا یہ ایک طلاق ہی شمار کی جائے گی، اور اگر عدت ختم نہیں ہوئی ہے تو آپ چاہیں تو اپنی بیوی سے رجوع کر سکتے ہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس طرح سے حضرت رکانہ بن عہد یزید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا پھر اس کے بعد بہت پریشان ہوئے تو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کتنی طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ تین؟ آپ نے فرمایا: ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ ایک ہی طلاق ہوگی اگر چاہو تو رجوع کرلو۔ (سنن ابی داؤد: ۲۰۰۶، و حسن اسنادہ الشیخ شعیب الأذقونی و سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

اور اگر رجوع سے قبل ہی عدت ختم ہوگئی اور اس کے قبل آپ نے اس عورت کو دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو اب از سر نو عقد نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتے ہیں حلالہ کی ضرورت نہیں۔

رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اور اگر اس نے اس سے پہلے اس عورت کو دوشرعا معتبر طلاق نہیں دی ہے تو وضع حمل سے قبل وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے، اور وضع حمل کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور اسنو عقد نکاح کرنا پڑیگا۔

اور اگر تیسرا (تیسری) ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے وہ اس کو دو طلاق دے چکا ہے اور یہ تیسری مرتبہ طلاق ہے تو اب رجوع اور عقد جدید کی کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر یہ عورت کسی مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے (مروجہ حلالہ کی نیت سے نہیں) نکاح کرے پھر خدا نخواستہ اس کا مرد انتقال کر جائے یا نباہ نہ ہو سکے کی وجہ سے طلاق دے دے تو عدت گزارنے کے بعد یہ دونوں پھر نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال: زید نے نہایت ہی غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، اور کہنے کا اقرار خود زید نے بھی کیا۔ لہذا اب فرمایا جائے کہ زید اور اس کی بیوی کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جواب: اگر زید کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ شدت غضب سے وہ مجنون کی طرح سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا، اور اس کے منہ سے کیا نکل رہا تھا اسے کچھ پتہ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر غصہ معمولی تھا اور ہوش حواس میں اس نے طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہوگئی ہے۔

البتہ چونکہ اس نے تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو سال تک ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲) اس واسطے اس کی ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ماہ قبل وقت واحد میں زانی طور پر تین طلاق دے دیا ہے اس وقت بیوی حاملہ تھی اب ایک ماہ قبل اسے لڑکا تولد ہوا ہے زید کے اس سے چار لڑکیاں اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ ہر وقت میں دین کے بنیادی علوم سیکھنے کا بہترین موقع



ڈپلومہ ان شریعہ اسٹڈیز

سیول
ہم

مسلمانوں کے حقوق * والدین کے حقوق * اولاد کے حقوق * شوہر، بیوی کے حقوق
پردیسوں کے حقوق * مزدوروں کے حقوق * غیر مسلموں کے حقوق * جانوروں کے حقوق

دین اور دنیا
میں
کامیابی

عربی زبان کی بنیادی تعلیم جو قرآن و حدیث کے فہم میں رہنما ثابت ہوا

چند بنیادی حقوق کی معرفت

مختصر عربی گرامر کوکس

ان شاء اللہ: کورس کا آغاز ۱۲ مارچ کے ۲۰۱۷ بروز اتوار

داخلہ شروع: جلدی کریں حقوق اور مختصر عربی گرامر کی معرفت حاصل کرنے کے لئے خودیادیشن لیس اور اپنے بچوں کا بھی ایڈمیشن کرائیں۔

کورس کی تفصیلات: دس مائٹوں پر مشتمل کورس (بیشمار سہولتیں آپ کو اس ایڈمز اتوار پر کورس کے بارے میں سب کچھ بتا دیں گی) * اسٹڈی مائٹ: ہفت روزہ کی تعلیم کا بھی ایڈمیشن کرائیں۔
تفصیلات: تعلیمی مائٹ: ہفت روزہ کی تعلیم کا بھی ایڈمیشن کرائیں۔ * امتحانات: تعلیمی مائٹ: ہفت روزہ کی تعلیم کا بھی ایڈمیشن کرائیں۔

DIPLOMA IN SHARIAH STUDIES

TEN WEEKS COURSE
LEVEL 4

CHAND MUNIYADI
HUSOOD KI MAHAAT

* Nasabulaw ke Huzooq * Waleedat ke Huzooq * Zuhud ke Huzooq * Shohar-Bai ke Huzooq
* Padoosyon ke Huzooq * Razdorum ke Huzooq * Grah Munkim ke Huzooq * Jannat ke Huzooq

MUKHTASAR ARABIC GRAMMAR COURSE

* Arabic Zuban Ki Baniadi Talim Jo Qur'an Wa Hadith Ke Faham Me Bahusna Sakil Ho.

Course Duration Ten Weeks

In Sha Allah Classes Starting

(Weekly Classes 12th March 2017 To 30th April 2017)

On 12th March 2017 (Sunday)

CLASS ONLY ON SUNDAYS-09:00 A.M. TO 12:30 P.M.

EXAM DATE : 07TH MAY 2017 (SUNDAY) * RESULT DATE : 14TH MAY 2017 (SUNDAY)

Notes
Available in
Urdu
&
English

کلاس سنٹرز:
Study Centers

Kurla
کرا

Islamic Information Centre, Gela No.6,
Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home,
Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-70. Ph. 26500400

Andheri
اندھری

Islamic Information Centre, Mukund House,
Next to Jumbo King, Near Andheri Station-Jama Masjid,
Andheri (West), Mumbai-58. Ph. 64209999

Ilmi Nigrah : Sk. Abdus Shakoor Madani, Sk. Akbar Ali Salafi

شیخ اکبر علی سالافی * شیخ عبدالغفور عبدالرحمن مدنی * شیخ عبدالغفور عبدالرحمن مدنی

ORGANIZED BY:

Islamic
Information
Centre
اسلامک انفارمیشن سنٹر

CONTACT FOR MORE DETAILS REGARDING COURSE

7800394012/8291063785

NEW STUDENTS WELCOME

Separate
Arrangement for
LADIES

خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہے۔

If Undelivered Please Return To

Ahl us Sunnah

Islamic Information Centre
Gela No. 6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home,
opp. Hiranagar-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai - 400070
Ph. 26500400 / 64209999

To,

Book Post